مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

میں ایف اے سال اوّل
آئی سی ایس اور آئی کام
میں داخلے جاری ہیں

بیرون لاہور کے طلبہ کے لئے ہاسٹل کی مناسب سہولت بھی موجود ہے

تفصیلات کے لئے پراسپکٹس طلب کریں

پرنسپل : 191-اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور

مزید برآں طالبات کے لئے مرکزی انجمن کے تحت قائم شدہ معیاری تعلیمی ادارے

قرآن کالج فار گرلز

K-433 بلاک' ماڈل ٹاؤن توسیعی سکیم

میں بھی ایف اے سال اوّل میں
داخلے جاری ہیں

جہاں بچیوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی مناسب اہتمام ہے

تفصیلات کے لئے پراسپکٹس طلب کریں

ناظم کالج 36-کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

دار الحکمۃ لاہور
05 JUL 1999

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے ایم فل پی ایچ ڈی

معاون: حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۱۸ | ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ — جولائی ۱۹۹۹ء | شمارہ ۷

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شاد یکری۔ شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۹۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

قرآن کالج ۔ نئے داخلوں کا آغاز

یہ بات سب کے علم میں ہے کہ ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم مقصدیت سے محروم اور بہت سے اعتبارات سے ناقص اور غیر متوازن ہے۔ سکولوں اور کالجوں میں اسلامیات کے عنوان سے ایک مضمون تو خانہ پُری کے لئے شاملِ نصاب ہوتا ہے لیکن وہ اس ضرورت کو پورا نہیں کرتا جو ایک اسلامی ریاست میں طلبہ کے اندر دین کا فہم اور دینی شعور اجاگر کرنے کے لئے ناگزیر امر کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ سکولوں اور کالجوں سے تعلیم پانے والے طلبہ بالعموم ضروری دینی تعلیم سے بے بہرہ اور قرآن و حدیث کے فہم سے ہی نہیں ان کو صحیح طور پر پڑھنے کی صلاحیت سے بھی قاصر و عاری رہتے ہیں۔

اسی کمی کی تلافی کے لئے قرآن کالج کا قیام عمل میں آیا تھا۔ جہاں کالج اور یونیورسٹی کے مروّجہ نصاب کے ساتھ ساتھ ابتدائی دینی تعلیم اور بالخصوص طلبہ میں قرآن کے فہم اور اس کی صحیح طور پر تلاوت کی صلاحیت پیدا کرنے پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے' جس کے لئے ابتدائی عربی گرامر کو بھی شاملِ نصاب کیا گیا ہے۔ بحمد اللہ قرآن کالج سے تعلیم حاصل کرنے والے اکثر طلبہ اس پہلو سے دیگر طلبہ کے مقابلے میں منفرد اور ممتاز مقام کے حامل نظر آتے ہیں۔

قرآن کالج کے پیش نظر جو اہم علمی کام ہے اس کے اعتبار سے تو اگرچہ زیادہ اہمیت سوشل سائنسز (Social Science) کی ہے' تاہم یہاں انٹر کمپیوٹر سائنس (ICS) اور آئی کام کی سہولت بھی فراہم کی گئی ہے۔ اسی اعتبار سے کالج کا نیا نام قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس طے پایا ہے۔ اس ضمن میں مرکزی انجمن کے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تحریر جو میٹرک پاس طلبہ کے نام ایک پیغام پر مشتمل ہے' زیرِ نظر شمارہ میں شامل کی گئی ہے۔

بہرکیف احباب نوٹ فرمالیں کہ آج کل قرآن کالج میں ایف اے' آئی سی ایس اور آئی کام کے سالِ اوّل میں داخلوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ یہ بات بھی احباب کے علم میں آچکی ہے کہ سال رواں سے قرآن کالج فار گرلز کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے' چنانچہ طالبات کے لئے بھی ایف اے سال اول میں داخلے شروع ہو چکے ہیں۔ مرکزی انجمن نے احباب کے لئے یہ سہولت فراہم کر دی ہے۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھانا اب احباب و رفقاء کا کام ہے۔OO

درس ۱۴

مسلمانوں کی سیاسی و ملّی زندگی کے رہنما اصول

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

(۳)

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ○ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ○ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ○ ﴾ (آیات ۲-۸)

"اے ایمان والو! مت بلند کرو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر اور مت گفتگو کرو

انؐ سے بلند آوازی کے ساتھ جیسے تم باہم ایک دوسرے سے گفتگو کر لیتے ہو' مبادا تمہارے تمام اعمال رائیگاں ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہو۔ یقیناً وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول (ﷺ) کے سامنے پست رکھتے ہیں' وہی ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان کے لئے بخشش بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اے نبی (ﷺ) آپؐ کو پکارتے ہیں حجروں کے باہر سے' ان میں اکثر نا سمجھ ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپؐ خود ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے کہیں بہتر تھا۔ اور اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لے کر آئے تو چھان بین کر لیا کرو' مبادا تم نادانی میں کسی قوم کے خلاف اقدام کر بیٹھو اور پھر تمہیں اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔ اور جان رکھو کہ تمہارے مابین اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں۔ اگر وہؐ تمہارا کہنا اکثر معاملات میں ماننے لگیں تو تم خود مشکل میں پڑ جاؤ گے' لیکن اللہ نے تو ایمان کو تمہارے نزدیک محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں کھبا دیا ہے' اور تمہارے نزدیک بہت ناپسندیدہ بنا دیا ہے کفر کو بھی اور نافرمانی کو بھی اور معصیت کو بھی۔ یہی ہیں وہ لوگ جو اصل میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور مظہر ہے اس کی نعمت کا۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' کمال حکمت والا ہے۔"

مسلمانوں کی حیاتِ ملّی کی دوسری اہم بنیاد

نبیّ اکرم ﷺ کا ادب واحترام

سورۃ الحجرات کی آیات ۲ تا ۸ میں مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ یا ان کی حیاتِ ملّی کی شیرازہ بندی کی جو دوسری اہم بنیاد ہے' اس کا ذکر ہے۔ پہلی بنیاد جس کا ذکر اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت میں ہے' دستوری اور آئینی نوعیت کی تھی کہ ایک اسلامی ریاست یا ایک اسلامی ہیئت اجتماعیہ یا ایک اسلامی معاشرہ پابند ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا دائرہ وہ دائرہ ہے کہ مسلمان خواہ فرد

ہو' خواہ معاشرہ ہو' خواہ پوری ملّتِ اسلامیہ ہو' خواہ کوئی اسلامی ریاست ہو وہ اس دائرے کے اندر محدود رہے گی۔ اب اس دائرے کا ایک مرکز بھی ہے اور مرکزی شخصیت ہے جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی۔ اور مسلمانوں کی حیاتِ ملی کی شیرازہ بندی میں جہاں اس پہلی اصل کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے جو دستوری و آئینی اصل ہے' وہاں دوسری بنیاد مرکزی نقطہ کی حیثیت کی حامل ہے کہ حضور ﷺ سے دلی محبت ہو' حضور ﷺ سے عقیدت ہو' حضور ﷺ کا ادب و احترام ہر آن ملحوظ رکھا جائے۔ آپ ﷺ کی توقیرو تعظیم ہو۔ گویا فی الجملہ ہر مسلمان کے دل میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپؐ کی تعظیم جاگزیں ہو۔

یہ درحقیقت وہ جذباتی بنیاد ہے جس سے ہمارے تمدن اور ہماری تہذیب کا نقشہ بنتا ہے ـــــ یہ بات ذہن میں رکھئے کہ انسان میں صرف عقل و ذہانت (Intellect) ہی نہیں بلکہ اس میں جذبات (sentiments) بھی ہیں۔ اور کسی بھی معاشرے میں جہاں اس کی عقلی اور فلسفیانہ اساسات کو اہمیت حاصل ہے' وہاں جذبات کے لئے بھی کوئی مرکز ضروری ہے' جس کے ساتھ اگر جذباتی وابستگی نہیں ہوگی تو دل پھٹے رہیں گے' آپس میں بُعد رہے گا اور ثقافت میں کوئی یک رنگی پیدا نہیں ہوسکے گی۔ چنانچہ کوئی تہذیبی و ثقافتی ہم آہنگی (Cultural Homogenity) وجود میں نہیں آسکے گی۔ ایک مسلمان معاشرے میں یہ مطلوبہ کیفیت درحقیقت نبی اکرم ﷺ کے اتباع کے ذریعے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ ایک ہے اطاعت اور ایک ہے اتّباع ـــــ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اطاعت نام ہے اس رویہ کا کہ جو حکم ملے اسے پورا کردیا جائے ـــــ اور یہ رویہ تو اصل میں اس دستوری اور آئینی بنیاد کا جزو ہے جس پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ اتباع کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جو عمل بھی اُس شخصیت سے منسوب ہے جسے اللہ کا رسول مانا گیا ہے' جس پر ایمان لایا گیا ہے' جس کی اللہ کے نبی و رسول کی حیثیت سے تصدیق کی گئی ہے' اب اس شخصیت کی نشست و برخاست کا' اس کی گفتگو کا' اس کے رہن سہن کا' اس کی وضع قطع' اس کی تہذیب اور اس کی پوری نجی و مجلسی زندگی کا جو بھی انداز ہو' اس پورے نقشے کو اپنے سیرت و کردار میں

جذب کرنا' اس رویہ اور اس کیفیت کا نام دراصل اتباع ہے ـــــ اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

ثقافتی ہم آہنگی کا اہم ذریعہ : اتّباعِ رسولؐ

پھر یہ کہ مسلمانوں کی تہذیب اور اس کے تمدن کے جو اصل خدوخال ہیں وہ درحقیقت اسی اتباعِ رسول ﷺ سے وجود میں آئے ہیں ـــــ یہ بات پیش نظر رہے کہ ہر معاشرے کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ جو علامہ اقبال نے ایک خاص پس منظر میں کہا ہے کہ ع "خوگر پیکر محسوس تھی انسان کی نظر" تو آپ اسے چاہے انسان کی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری شمار کریں' لیکن یہ انسان کی عالمگیر (universal) کمزوری ہے کہ کوئی دل آویز اور دلنواز شخصیت ایسی ہو کہ اگر اس سے محبت اور قلبی لگاؤ ہے تو اس معاشرے کے افراد آپس میں ایک دوسرے سے قریب رہیں گے' ان کے دلوں کی دھڑکنوں میں ہم آہنگی ہوگی۔ انسان کی یہ ضرورت ہے کہ اس کے قلبی لگاؤ کے لئے ایسی شخصیت موجود ہو جو معاشرے کی شیرازہ بندی میں نقطۂ ماسکہ کا کردار ادا کرے۔ اسے آپ ہیرو کہیں' آپ اسے کسی دوسرے اعلیٰ لقب سے پکاریں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ تمام معاشروں کو یہ ہیرو باقاعدہ گھڑنے پڑتے ہیں' یہ شخصیتیں تراشنی پڑتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ ان کی ضرورت ہے۔ جذباتی وابستگی کے لئے ایک ایسا مرکز لازم ہے۔

کتنی بڑی خوش قسمتی ہے امت محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی کہ یہاں کوئی مصنوعی شخصیت تراشنے اور گھڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسروں کو تو مصنوعی شخصیتیں گھڑنی پڑتی ہیں اور ان کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ہر دور میں انہیں ایک نئی شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے علامہ اقبال کا یہ مصرع بڑا پیارا ہے کہ ع "می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر!" لیکن ہمارے پاس نبی اکرم ﷺ کی محبوب' دلنواز' دلآویز' من موہنی' معراجِ انسانیت پر فائز شخصیت' جن کی سیرت و کردار پر کوئی دشمن بھی کہیں کوئی انگلی نہ رکھ سکا' انسانِ کامل' انسانی عظمت کا مظہر اتم شخصیت موجود ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت ہماری ملی شیرازہ بندی کے لئے مرکزی شخصیت ہے۔ آپؐ کے ساتھ دلی محبت' آپؐ کا ادب' آپؐ کی تعظیم' آپؐ کا احترام' آپؐ سے عقیدت' اگر اسلامی معاشرہ میں ان تمام امور کا جذبہ موجود رہے گا تو معاشرہ بنیانِ

مرصوص بنا رہے گا۔ آپ ﷺ وہ شخصیت ہیں کہ جن کے متعلق بالکل صحیح کہا گیا ہے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا!

آپؐ وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں علامہ اقبال نے بالکل درست کہا ہے کہ ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اب اگر ہم ان دونوں کو جمع کریں تو ایک ہے ہماری ہیئت اجتماعیہ یا حیات ملی کے لئے دستوری' آئینی اور قانونی بنیاد ـــــ اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت۔ یہ گویا ایک دائرہ ہے اور اس دائرے کے درمیان ہے ایک انتہائی دلنواز اور دلآویز شخصیت' بقول شاعر ؏ "نگہ بلند سخن دل نواز جاں پُرسوز" کا مصداقِ کامل ـــــ اس کے لئے اگر "مرکز ملت" کی اصطلاح اختیار کی جائے تو مجھے اعتراض نہیں' لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ہمارا یہ مرکز دائم و قائم ہے۔ یہ کسی بھی دور میں بدلنے والا نہیں ہے' بلکہ یہ تو ہمیشہ ہمیش کے لئے تاقیامِ قیامت جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی شخصیت ہے جو "مرکز ملت" کے مقام پر فائز رہے گی اور حضور ﷺ ہی کو معیارِ مطلق بنانا ہو گا۔ مختلف مسلمان معاشروں اور مختلف مسلمان ملکوں میں یقیناً جب رہنما اور مصلح سامنے آتے ہیں تو ہمیں ان سے محبت و عقیدت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ترکوں کے دلوں میں مصطفیٰ کمال کی عظمت ہے تو ٹھیک ہے' وہ ان کے محسن تھے۔ اسی طرح پاکستانی مسلمانوں کے دلوں میں اگر قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کی محبت ہے تو درست ہے' وہ ہمارے محسن ہیں۔ لیکن ہمیشہ کے لئے اور جو ابدی معیار قائم و دائم رہے گا وہ شخصیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ اگر ہم نے اس معیار کو مجروح کر دیا تو یہ جان لیجئے کہ پھر مسلمانوں کی حیاتِ ملی کی ایک اہم اساس منہدم ہو جاتی ہے۔ یہ ہمارا وہ معیار ہے جو مستقل ہے' دائم و قائم ہے۔ یہ نہ صرف ہماری تہذیبی و ثقافتی ہم آہنگی کی ضمانت دیتا ہے' بلکہ اس تہذیبی و ثقافتی ہم رنگی' ہم آہنگی اور یکسانیت کے ساتھ تہذیب و ثقافت کا ایک تسلسل و تواتر ہے جو چودہ سو سال سے جاری و ساری ہے۔ وضع قطع اور لباس کے حدود و قیود اور نشست و برخاست کے انداز' حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اتباع سے مسلمانوں میں فروغ

پذیر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان چاہے مشرق بعید کے رہنے والے ہوں یا مغرب بعید کے' غرض دنیا کے کسی خطے میں بسنے والے مسلمان ہوں' ان سب کے درمیان ایک مناسبت' ہم رنگی' اور یکسانیت نظر آتی ہے۔ یہ اسی لئے ہے کہ ان کے لئے مرکزی شخصیت ہمیشہ ہمیش کے لئے جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ہے۔

مرتبہ و مقامِ محمدیؐ کا لحاظ اشد ضروری ہے

ان آیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران کچھ واقعات ایسے ہوئے کہ جن میں لوگوں سے کچھ بے احتیاطی ہوئی' جس سے حضور ﷺ کا بلند' ارفع و اعلیٰ مقام مجروح ہونے کا کچھ اندیشہ ہوا۔ کسی نے کبھی اپنی آواز کو حضور ﷺ کی آواز سے کچھ بلند کرلیا —— اس پر فرمایا گیا کہ مسلمانو! ہرگز ایسا نہ کرنا۔ یہ وہ عمل ہے کہ تمہیں محسوس بھی نہیں ہو گا لیکن یہ اتنی بڑی گستاخی شمار ہو گی کہ تمہارے پچھلے کئے کرائے سارے اعمال رائیگاں جائیں گے' تمہاری ساری نیکیاں اکارت جائیں گی —— پھر مثبت انداز میں بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی تعلیم اور اس کی افزائش کے لئے انہی حضرات کے دلوں کو جانچ کر اور پرکھ کر منتخب فرمالیا ہے کہ جو اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز کے سامنے پست رکھتے ہیں۔ اس معاملہ میں باہر سے آنے والے بدوؤں سے کچھ بے احتیاطی ہو جاتی تھی۔ جیسے کتب سیرت میں واقعہ ملتا ہے کہ بنی تمیم کے کچھ لوگ آئے اور جیسا کہ وہاں کے بدوؤں کا ایک مزاج تھا' انہوں نے مسجد نبوی ؐمیں آکر پکارنا شروع کر دیا "یا محمّد اُخرج علینا" یعنی۔ "اے محمد (ﷺ) باہر آیئے" —— اس پر ان کو ٹوک دیا گیا' لیکن ساتھ ہی فرمادیا کہ یہ لوگ ناسمجھ ہیں۔ ان کی نیت میں خلل نہیں ہے' یہ ان کے مزاج کا اکھڑپن ہے جو ان کی طبیعت ثانیہ بن گیا ہے' اسی کا یہ ظہور ہے' لہٰذا ٹوکنے کے ساتھ ہی فرمایا گیا کہ: ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ "اللہ بخشنے والا ہے' رحم فرمانے والا ہے" لیکن احتیاط کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد آیت ۶ میں جو بات آئی ہے' اس پر ان شاء اللہ بعد میں گفتگو ہو گی۔ گزشتہ نشست میں مَیں نے اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کو تین موضوعات میں تقسیم کیا تھا۔ چھٹی آیت کا تعلق ان معین موضوعات میں سے دوسرے موضوع سے ہے' لیکن آیات ۷ اور ۸ میں وہ اہم ترین بات آئی ہے جو آج کی گفتگو سے متعلق ہے۔

فرمایا : ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﴾ ”اچھی طرح جان لو کہ تمہارے مابین (جو محمد ﷺ کی شخصیت ہے وہ) اللہ کے رسول ہیں“ ـــــ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ یہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں، لیکن تمہیں آپ کی جو شان ہر آن ملحوظ رکھنی چاہئے وہ یہ حقیقت ہے کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اب فرض کیجئے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ سمجھ کر کہ حضور ﷺ میرے بھتیجے ہیں، آپؐ کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کریں جیسا ایک بڑا اپنے چھوٹے سے کرتا ہے تو یہاں حضور ﷺ کی رسول کی حیثیت کے مجروح ہونے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا فرمایا گیا: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﴾ ”اور جان لو تمہارے مابین اللہ کے رسول ہیں“۔ ان کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو ایک اُمتی کو رسول کے ساتھ کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ادب و احترام اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کو ہر آن ملحوظ رکھو ـــــ اس ضمن میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا یہ نقشہ خاص طور پر سامنے لایا گیا کہ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کو راسخ اور جاگزیں کر دیا ہے، اسے تمہارے دلوں میں کھبا دیا ہے، تمہارے دلوں کو ایمان سے مزین کر دیا ہے اور کفر و فسق سے اور معصیت سے تمہیں طبعاً نفرت ہو چکی ہے۔ اس اسلوب میں جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح ہے، وہاں یہ ترغیب و تشویق کا بھی انداز ہے کہ اس معاملے میں ذرا احتیاط ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ حضور ﷺ کی رسول اللہ ہونے کی حیثیت کسی حال میں بھی نظر انداز نہ ہونے پائے۔

مقامِ رسالت کے حوالے سے ہماری ذمہ داری؟

آخری بات یہ سامنے رکھئے کہ اس حکم پر ہم کیسے عمل کریں! اس کا تعلق ہم سے یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ثابت شدہ سنتیں اور حضور ﷺ کی احادیث حضور ﷺ کی قائم مقام ہیں۔ نبی اکرم ﷺ آج بھی معناً ہمارے مابین موجود ہیں، اس لئے کہ حضور ﷺ کی سنتیں آج بھی زندہ و پائندہ ہیں۔ حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ آج بھی نصف النہار کے خورشید کی طرح درخشاں و تاباں ہے۔ ہمارے سامنے جب بھی کوئی بات حضور ﷺ کی آئے ہمیں اپنی عقل کو ایک طرف رکھ دینا چاہئے، اپنے فلسفے بگھارنے بند کر دینے چاہئیں، اپنی منطق کو پس پشت ڈال دینا چاہئے، اپنے ”اقوال“ پر تالا ڈال دینا چاہئے۔ تحقیق تو ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بات فرمائی یا نہیں فرمائی، لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے

کہ حضور ﷺ کی حدیث کے حوالے سے جب بات سامنے آئے تو زبان فوراً بند ہو جائے‘ سر فوراً جھکا دیئے جائیں۔ بعد میں اگر تحقیق سے معلوم ہو کہ روایت صحیح نہیں تو ٹھیک ہے‘ اس پر اب عمل نہیں ہو گا۔ لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ حضور ﷺ کی کوئی بات اگر سامنے آئے تو فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا جائے۔ لیکن اگر اس کے برعکس پھر بھی ہم اپنے فلسفے چھانٹیں اور اپنی منطق بگھاریں تو یہ وہ طرزِ عمل ہو جائے گا کہ ﴿ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ ﴾ "مبادا تمہارے تمام اعمال اکارت ہو جائیں" ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ ﴾ "اور تمہیں اس کا ادراک واحساس تک نہ ہو۔"

اس کے بعد ہم آیت ۶ اور آیات ۹‘ ۱۰ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ فرمایا :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ○ ﴾ (آیت ۶)

﴿ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ ﴾ (آیات ۹‘ ۱۰)

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لے کر آئے تو چھان بین کر لیا کرو۔ مبادا تم نادانی میں کسی قوم کے خلاف اقدام کر بیٹھو اور پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے"۔

اس کے بعد فرمایا :

"اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرا دو‘ اور اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرنے پر مصر رہے تو اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے۔ پھر اگر وہ اللہ کے حکم کو تسلیم کر لے تو پھر صلح کرا دو ان دونوں کے مابین انصاف کے ساتھ‘ اور عدل سے کام لو‘ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ یقیناً تمام اہلِ ایمان

آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس تم اپنے بھائیوں کے مابین صلح کرادیا کرو، اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (اس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

دو بڑے احکام :

اہم خبروں کی چھان پھٹک اور نزاع کی صورت میں صلح کرانے کا حکم

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کی حیاتِ ملی کی شیرازہ بندی کو مستحکم رکھنے کے لئے چند نہایت اہم احکام ہیں جو سورۃ الحجرات میں وارد ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی حیاتِ ملی یا ہیئت اجتماعیہ کی جو دو بنیادیں ہیں ان کی نشاندہی بھی ہو چکی ہے۔ ایک دستوری، آئینی و قانونی بنیاد جس پر نظامِ حکومت قائم ہوتا ہے۔ دوسری وہ جذباتی بنیاد جس سے تمدن اور تہذیب و ثقافت وجود میں آتی ہے ــــ اب اس ہیئت اجتماعیہ کی شیرازہ بندی کو مضبوط رکھنے کے لئے دو احکام زیر مطالعہ آیات میں وارد ہوئے ہیں اور یہ دونوں احکام نہایت اہم ہیں۔

افواہوں کی روک تھام

پہلا حکم یہ ہے کہ محض افواہ پر کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ اگر کہیں سے کوئی خبر آئے اور خبر بھی اہم قسم کی ہو (عربی میں "نبا" اہم خبر کو کہتے ہیں) تو اس کے ضمن میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ خبر لانے والا کون ہے! اگر وہ کوئی انتہائی معتبر شخصیت ہو مثلاً حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، یا علی مجتبیٰ جیسے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی خبر دے رہا ہو تو کسی تحقیق، کسی تبیین اور کسی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر اس خبر کو لانے والا کوئی ایسا شخص ہے کہ جو احکام الٰہیہ پر اس طور سے کاربند نہیں ہے جس طرح ایک مومن صادق کو ہونا چاہئے تو ایسے شخص کی لائی ہوئی خبر پر کوئی اقدام کرنا بہت خطرناک ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کی تحقیق، تبیین اور تفتیش ضروری ہے۔ اور اسی سے یہ بات از خود سامنے آتی ہے کہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ جس کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ یہ شخص متقی ہے یا فاسق، تو سب سے پہلے اس شخص کے بارے میں تحقیق کرنی ہوگی کہ اس کا کردار کیسا ہے! اس کا اخلاق کیسا ہے! دین کے ساتھ اس کے رویئے اور طرز عمل

کا معاملہ کیسا ہے! ـــــ تو یہ دونوں چیزیں سامنے رکھیئے کہ خبر لانے والے کے بارے میں بھی تحقیق و تفتیش ـــــ اور پھر جو "خبر" لائی گئی ہو' اس کے بارے میں بھی پوری چھان بین کرنی ضروری ہے۔ ان دونوں مرحلوں سے گزر کر پھر کوئی فیصلہ کیا جائے اور اس فیصلے کے مطابق پھر کوئی اقدام ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر ان معاملات میں سہل انگاری سے کام لیا جائے اور ان احتیاطوں کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو ہو سکتا ہے کہ نادانی' نادانستگی اور جہالت میں کسی غلط اطلاع کی بنیاد پر کوئی اہم اقدام ہو جائے اور بعد میں معلوم ہو کہ یہ اطلاع ہی سرے سے غلط تھی۔ یہ معاملہ عام طور پر خود ہمارے معاشرے میں نظر آتا ہے کہ ایک افواہ کہیں سے چلی اور پھر وہ بڑھتی چلی گئی' ایک کی زبان سے نکلی اور دوسرے کے کان تک پہنچی۔ اب دوسرے کی زبان سے نکلتی ہے تو اس میں اضافے ہوتے ہیں اور پھر یہ افواہ اضافوں کے ساتھ معاشرے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے اور لوگ اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات بڑی اہم ہے کہ تحقیق و تفتیش کے ذریعے صحیح معلومات حاصل کرنے کے بعد کوئی اقدام ہو۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا ایک فرمان بہت ہی پیارا ہے۔ آپؐ نے ہمارے سامنے ایک ایسا معیار رکھا ہے کہ واقعتاً اگر اس پر انسان کسی درجے میں بھی عمل پیرا ہو جائے تو اس طرح کے تمام اندیشوں کا سدباب ہو جائے گا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ)) "کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے بیان کر دے" ـــــ اب دیکھئے کہ یہ بڑی عجیب اور بڑی پیاری بات ہے جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ ایک شخص نے کسی سے کچھ سنا' اس میں کوئی اضافہ بھی نہیں کیا' وہی بات جوں کی توں آگے بیان کر دی تو یہ طرزِ عمل ہی اس کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے۔ غور کیجئے کہ بات کیا ہے! اسے یہ چاہیئے تھا کہ اس بات کو اپنی زبان سے نکالنے سے پہلے خود اس کی تحقیق کر لیتا۔ بالفرض وہ بات غلط ہے تو اس غلط بات کے پھیلانے میں وہ بھی ایک واسطہ بن گیا۔ اس کے ذریعے سے وہ جھوٹ کتنی دور تک پھیل سکتا ہے' اس کا اندازہ ہر شخص خود کر سکتا ہے۔

احادیثِ مبارکہ کے معاملے میں خصوصی احتیاط

اب اس ضمن میں ایک بات مزید نوٹ کر لیں۔ زیرِ مطالعہ آیت سے اگلی آیت

(نمبر ۷) جس کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں' اس میں خاص طور پر نبی اکرم ﷺ کے مقام کو بڑی وضاحت سے سامنے لایا گیا ہے کہ ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ ساتویں آیت کے اس جزو کا چھٹی آیت سے بھی ربط ہے۔ وہ اس پہلو سے کہ تمام اطلاعات اور تمام خبروں کی تحقیق و تفتیش ہونی چاہئے' لیکن جو بات خاص طور پر نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہو رہی ہو' چاہے وہ کتنی چھوٹی سے چھوٹی بات ہی کیوں نہ ہو' ہر مسلمان کے لئے وہ بات اس اعتبار سے بہت بڑی ہے کہ یہ حضور ﷺ کے فرمان کے طور پر پیش کی جا رہی ہے۔ اسی سے تو ہماری ساری شریعت اور ہمارے تمام قوانین کا ڈھانچہ بنے گا اور اسی پر ہمارے تمدن اور ہماری تہذیب و ثقافت کی تشکیل ہو گی' لہٰذا اس معاملہ میں سہل انگاری' صرف نظر یا تساہل عام معاملات کے مقابلے میں بہت زیادہ خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

یہ ہے وہ اہم بات جس کے تحت ہمارے محدثین کرام رحمہم اللہ نے احادیث کی تحقیق و تفتیش میں اپنی پوری پوری زندگیاں لگا دیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی احادیث بیان کرنے والے راویوں کے حالات کی بھی پوری چھان بین کی اور جرح و تعدیل کے اصول معین کئے۔ اس طرح اسماء الرجال کا ایک بہت بڑا علم اور ایک بہت بڑا فن وجود میں آیا۔ ہزاروں راویانِ احادیث کی زندگیوں کے بارے میں تحقیق ہوئی' پھر ان کے حالات مدون کر کے ضبط تحریر میں لائے گئے' پھر ان کی درجہ بندی کی گئی۔ اگر کسی شخص نے نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات کہی تو اسے محض اس بنیاد پر قبول اور تسلیم نہیں کر لیا جائے گا کہ یہ بات "قال قال رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" کے الفاظ سے بیان کی گئی ہے' بلکہ اس کی پوری تحقیق و تفتیش اور پوری چھان بین ہو گی' روایتاً بھی ہو گی اور درایتاً بھی۔ ان راویوں کے حالات پر بھی جرح ہو گی جو اس کو بیان کرنے والے ہیں۔ حدیث میں جتنے بھی واسطے اور links ہیں' ان کی ثقاہت اور ان کے تدین کی بھی تحقیق ہو گی۔ پھر حدیث کے متن پر درایتاً بھی غور کیا جائے گا۔ یہ سارے کا سارا نظام درحقیقت اسی حکم کے تحت ہے کہ "اے اہل ایمان' اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی اہم خبر لے کر آئے تو تحقیق اور تفتیش کر لیا کرو"۔

باہمی نزاع کی صورت میں صلح کرانے کا حکم

اب آیئے اس دوسرے بڑے حکم کی طرف جو آیات نمبر۹ اور ۱۰ میں ہمارے

سامنے آیا ـــــ اگر اس ساری احتیاط کے باوجود مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین کوئی نزاع برپا ہو جائے' کوئی جھگڑا ہو جائے' کسی نوع کا اختلاف ہو جائے اور یہ اس شدت کو پہنچ جائے کہ وہ باہم ایک دوسرے سے لڑ پڑیں تو ایک مسلم معاشرے کا کیا رویہ ہو! فرمایا: ﴿ وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا... ﴾ "اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں..." اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان بھی آخر انسان ہیں۔ خطا اور نسیان کا ارتکاب ہر انسان سے ہو سکتا ہے' لہٰذا مسلمانوں کے مابین اگر کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے' وہ باہم لڑنے اور جھگڑنے لگ پڑیں تو یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے' ایسا ہو سکتا ہے۔ پوری نیک نیتی کے ساتھ بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ پھر حالات ایسی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں کہ دونوں فریق اگرچہ نیک نیت ہوں' لیکن پھر بھی مسئلہ الجھتا چلا جائے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ کچھ خارجی عناصر بھی موجود ہوں اور کوئی سازشی عنصر اندر بھی موجود ہو کہ جو دونوں فریقوں کو بھڑکا رہا ہو' تو ہو سکتا ہے کہ خلوص اور نیک نیتی کے باوصف وہ جھگڑا باہمی قتال اور جنگ کی صورت اختیار کر جائے۔ اس صورتحال کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ ان میں سے کسی ایک فریق کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا جائے یا ان کے ایمان کی نفی کر دی جائے۔ واضح رہے کہ اس آیت کے آغاز میں دونوں لڑنے جھگڑنے والے گروہوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ﴿ وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا ﴾ "اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں"۔ چنانچہ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ ان میں سے کسی کے بھی ایمان کی نفی نہیں کی گئی ہے۔

مصالحت کا قانون

آگے چلئے' اس سورۂ مبارکہ کی آیات زیر مطالعہ میں ایک پورا قانون بیان ہوا ہے' جس کی کئی دفعات ہیں۔ پہلی دفعہ یہ ہے کہ ﴿ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ﴾ کہ یہ تمہارا فرض ہے کہ ان کے مابین صلح کرا دو۔ یعنی بے تعلقی کا رویہ صحیح نہیں ہے کہ ہمیں مداخلت کی کیا ضرورت ہے' یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے جس سے وہ خود نمٹیں۔ یہ روش چھوٹی سطح پر بھی غلط ہے اور بڑی سطح پر انتہائی غلط ہے۔ اگر دو بھائیوں کے مابین اختلاف ہو گیا ہو اور بقیہ بھائی یا قریبی اعزہ یہ سوچیں کہ یہ اپنا اختلاف آپس ہی میں طے کریں' ہم اگر ایک کے حق میں بات کریں گے تو خواہ مخواہ دوسرے کی خفگی اور ناراضگی مول لیں گے اور

دوسرے کے حق میں بات کریں گے تو پہلا خفا اور ناراض ہو جائے گا۔ تو یہ بے تعلقی کا رویہ بہت غلط ہے۔ اس کیلئے انگریزی محاورے "Nip the evit in the bud" کے مطابق عمل ہونا چاہیئے۔ چنانچہ برائی نے جہاں بھی ظہور کیا ہے' وہ ایک رخنہ ہے جو مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ میں رونما ہوا ہے' اس فصیل میں ایک دراڑ پڑ گئی ہے' اگر یہ دراڑ بڑھ گئی تو اس سے غنیم کو اندر آنے کا موقع ملے گا' دشمن اندر گھس آئے گا' لہٰذا پہلی فرصت میں اس دراڑ کو بند کرو اور اس رخنے کو ختم کرو۔ چنانچہ حکم دیا گیا ﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ یہ پہلی دفعہ ہے اور چونکہ "اَصْلِحُوْا" فعل امر ہے اور فقہ میں عام طور پر یہ اصول مانا جاتا ہے کہ "الامر للوجوب" پس معلوم ہوا کہ یہاں مسلمانوں پر واجب اور فرض کیا جا رہا ہے کہ وہ مصالحت کرائیں۔

اب اس کے بعد دوسری دفعہ ہے ﴿فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى﴾ "پس اگر (مصالحت اور صلح کی کوشش کے باوجود) ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرتا جا رہا ہے" ـــــ اس زیادتی کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ گروہ مسلمانوں کی جو مجموعی طاقت اور قوت ہے' اسے صلح سے انکار کر کے ضعف پہنچانے کا سبب بن رہا ہے اور بے جا طور پر اپنی زیادتی پر مصر ہے۔ دوسری یہ کہ ان کے مابین جو صلح اور مصالحت کرائی گئی تھی' اس کی شرائط پر وہ کاربند نہیں رہا' اس نے از سرنو کوئی زیادتی کی ہے۔ ان دونوں حالتوں کے بارے میں حکم مل رہا ہے: ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ﴾ "اب تم اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے" ـــــ یعنی اب یہ جھگڑا دو فریقوں کے مابین نہیں رہا' بلکہ ملت کا بحیثیت مجموعی جو مقام و مرتبہ ہے' اس گروہ نے اسے چیلنج کیا ہے' وہ اسے غیر مؤثر بنانے اور نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ لہٰذا اب اُمت کی مجموعی طاقت بروئے کار آئے اور وہ زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑ کر اسے مجبور کرے کہ وہ اس زیادتی سے باز آ جائے۔ چنانچہ فرمایا ﴿حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ "یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے"۔ یہاں "امر اللہ" میں ان شرائط کی طرف اشارہ ہے جو ملت کی ہیئت اجتماعیہ نے ان دونوں فریقوں کے مابین طے کرائی تھیں۔ وہی شرائط درحقیقت امر اللہ ہیں۔

تیسری دفعہ یہ بیان فرمائی: ﴿فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا﴾

"پھر اگر وہ فریق لوٹ آئے' زیادتی سے باز آجائے تو پھر ان کے مابین از سرنو عدل کے ساتھ صلح کراؤ' اور انصاف سے کام لو۔" ــــــ آیت کے اس حصے پر غور فرمایئے۔ یہ قرآن حکیم کا اعجاز ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں واقعتاً گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں اور سر جھکانا پڑتا ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہو سکتا' یہ اللہ ہی کا کلام ہے ــــــ یہاں بات دو اسلوبوں سے فرمائی گئی ہے: ﴿ بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ﴾ یعنی اب جو صلح کراؤ تو عدل کے ساتھ کراؤ اور دیکھو انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ یہ تکرار کیوں ہوئی؟ یہ اس لئے کہ جب ملت نے بحیثیت مجموعی ایک فریق کو صلح پر مجبور کیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ جذبات میں آکر اس فریق پر کوئی ناروا زیادتی ہو جائے اور اسے زیادہ سے زیادہ دبانے کا رجحان پیدا ہو جائے' لہٰذا یہ خاص احتیاط کا مقام ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اب بطور سزا اس پر ایسی شرائط عائد کر دی جائیں جو نامناسب و ناروا ہوں اور جو زیادتی کے زمرے میں آتی ہوں۔ چنانچہ متنبہ کر دیا گیا ہے کہ زیادتی کرنے والا فریق بھی آخر مسلمان ہی ہے' اہل ایمان ہی میں سے ہے' لہٰذا اب کہیں اس پر زیادتی نہ ہو جائے اور عدل و قسط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ ﴾ "جان رکھو کہ بلاشک و شبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

صلح و مصالحت کی اصل بنیاد

اس کے بعد اگلی آیت میں ایک حتمی و قطعی ضابطہ اور سنہری اصول بیان فرما دیا گیا کہ مسلمانوں کے مابین معاملات اور تنازعات طے کراتے ہوئے جو روح کارفرما رہنی چاہئے' جو اہم ترین بات پیش نظر رکھنی چاہئے وہ کیا ہے! اس کی ان الفاظ مبارکہ میں تعلیم دی گئی اور تلقین فرمائی گئی ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ "یقیناً تمام مسلمان' تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں" ﴿ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ﴾ "لہٰذا اپنے بھائیوں کے مابین صلح' صفائی اور مصالحت کرا دیا کرو" ـــــ ان الفاظِ مبارکہ کے ذریعے سے فطرتِ انسانی کو اپیل کیا گیا ہے۔ یہ انسان کی فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے کہ دو بھائیوں کے مابین جھگڑے کو دیکھ کر کوئی خوش نہیں ہوتا۔ دو بھائیوں کو لڑتا جھگڑتا دیکھ کر ہر سلیم الفطرت انسان یہ چاہے گا کہ ان کے مابین صلح اور مصالحت کرائے۔ تو اسی فطرت کو اپیل کیا جا رہا ہے کہ مسلمان تو سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں' ان سب کا ایک دوسرے سے

رشتہء اخوت ہے' لہٰذا اگر مسلمانوں کے مابین کہیں ایسا اختلاف ہو جایا کرے کہ جھگڑے اور لڑائی کی نوبت آجائے تو اسی جذبے اور روح کے ساتھ جو بھائی بھائی ہونے کے ناطے تم میں ہونی لازمی ہے' ان کے مابین صلح کرانے کی کوشش کرو۔ آخر میں فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ "اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' اس کی نافرمانی سے بچتے رہو' اسی طرزِ عمل کے نتیجے میں تم امید کر سکتے ہو کہ تم پر رحم کیا جائے گا' تم پر رحمت خداوندی کا سایہ ہو گا۔"

ہمیں ان احکام کو اپنی گھریلو سطح پر' برادری کی سطح پر اور محلّہ کی سطح پر پیش نظر رکھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جلد وہ دن بھی لائے کہ پوری اُمت مسلمہ ایک وحدت کی شکل اختیار کر لے' ان کے آپس کے جھگڑے' تنازعات' اختلافات ختم ہو جائیں اور یہ بات صورتِ واقعہ اختیار کر لے کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

یا جیسے علامہ اقبال مرحوم نے اپنے لیکچرز میں کہا ہے کہ مسلمان قوموں کی ایک دولت مشترکہ (Common Wealth) ہی وجود میں آجائے۔ پھر عجیب بات ہے کہ علامہ نے اس ضمن میں طہران کا تذکرہ کیا تھا کہ ؎

طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرہٴ ارض کی تقدیر بدل جائے!

اللہ تعالیٰ اگر ہمیں عالم اسلام کا ایک "کامن ویلتھ" قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو ہم اس بلند سطح پر بھی ان احکامِ قرآنیہ پر عمل کرنے کے قابل ہو جائیں گے جو مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں ہمارے سامنے آئے ہیں۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المُسلمین والمُسلمات ○○

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ

——عبدالرشید عراقی——

علمائے مغرب میں قاضی عیاض کا شمار محدثین عظام میں ہوتا ہے۔ آپ گوناگوں اوصاف و کمالات کا مجموعہ تھے۔ تمام علومِ اسلامیہ میں جامع' امامِ وقت اور عالم مغرب تھے۔ علمائے فن' اربابِ سیر اور تذکرہ نگاروں نے ان کے علم و فضل و کمالات کا اعتراف کیا ہے اور ان کو الحافظ الکبیر کے لقب سے یاد کیا ہے۔ علامہ ابنِ خلکان نے ان کو یکے از اکابر ائمہ' حفاظ و محدثین اور فقہاء و ادباء کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ

> "قاضی عیاض کی علمی خدمات متنوع اور گوناگوں ہیں۔ فن حدیث میں ان کا انہماک غیر معمولی اور بے مثال تھا۔ وہ مختلف علوم اور معانی و اصطلاحات کی فہم و معرفت میں یکتا' نظم و نثر دونوں پر قادر اور فقہ' لغت' عربیت و ادب کے ماہر تھے۔ درحقیقت ان کی ذات لائق فخر اور سرمایہ کمال تھی اور وہ نہ صرف اندلس بلکہ مغرب کے علماء اور رجالِ علم کے صدر الصدور تھے"۔

ان اوصاف و کمالات کی بدولت ان کی شہرت و مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ ابنِ فرحون لکھتے تھے کہ ان کی شہرتِ عظیم تھی۔ حافظ ذہبی کے الفاظ میں ان کو جو شہرت و مقبولیت اور غیر معمولی عظمت اور بلند مرتبہ اور وقار حاصل ہوا وہ کسی اور شخص کو ان سے پہلے حاصل ہوا نہ بعد میں۔

ولادت و خاندان

قاضی عیاض کا سن ولادت ۴۷۶ھ ہے۔ ان کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا' جس میں ان سے پہلے اور ان کے بعد کئی اصحابِ علم و فن گزرے ہیں۔ ان کا جائے ولادت مغرب کا مشہور شہر بستہ ہے۔

اساتذہ و تلامذہ

قاضی عیاض کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ حافظ ذہبی اور ابنِ فرحون

نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست درج کی ہے۔

تحصیل علم

قاضی عیاض نے پہلے اپنے وطن کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد اندلس جاکر قرطبہ کے علماء فن سے مستفیض ہوئے اور بعد میں بلادِ مشرق کا سفر کیا۔

علم و فضل

قاضی عیاض کے حفظ و ضبط، عدالت و ثقافت، ذکاوت و ذہانت کا اہل سیر اور علمائے فن نے اعتراف کیا ہے۔ ان کی غیر معمولی ذہانت کا یہ حال تھا کہ ۳۰ سال کی عمر سے پہلے اربابِ فن سے مناظرہ کیا اور ۳۵ سال کی عمر میں عہدۂ قضاء پر متمکن ہو چکے تھے۔ علم حدیث سے ان کو خاص شغف اور اشتغال تھا اور حدیث اور متعلقاتِ حدیث میں مکمل مہارت رکھتے تھے۔ ابنِ خلکان نے لکھا ہے کہ حدیث اور علومِ حدیث میں یکتائے روزگار اور امامِ وقت تھے۔ تفسیر، علومِ قرآنی اور فقہ و اصولِ فقہ میں بھی ممتاز تھے۔ ابنِ فرحون نے لکھا ہے کہ وہ تفسیر اور اس کے متعلقہ علوم و فنون کے تبحر عالم، مبصر، فقیہہ اور احکام و شرائع سے پوری طرح آگاہ تھے۔

قاضی عیاض نہ صرف خالص دینی علوم میں ممتاز اور فائق تھے بلکہ دوسرے علوم میں بھی ان کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ ابنِ خلکان لکھتے ہیں کہ

"قاضی عیاض لغت، کلامِ عرب، نحو، انساب و وقائع کے نامور عالم تھے اور اِن علوم میں اُن کو امامت کا درجہ حاصل تھا"۔

شعر و سخن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے اشعار کی بلندی کا اعتراف کیا ہے۔ خطابت میں بھی بلند مرتبہ تھے۔ ابنِ فرحون نے ان کو بلیغ خطیب لکھا ہے۔ قاضی عیاض دوبار عہدۂ قضاء پر متمکن ہوئے۔ آپ نے محکمہ قضاء کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے اور کبھی بھی عدل و انصاف سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ •

فقہی مذہب

قاضی عیاض امام دار الہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے وابستہ تھے اور ان کا

شمار مالکی مذہب کے اکابرین میں ہوتا تھا۔ اس کے اصول و فروع پر ان کی نظر وسیع تھی اور وہ اس مذہب کے جزئیات تک کے حافظ تھے۔

اخلاق و عادات

اخلاق و عادات میں قاضی عیاض کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ تواضع و انکساری، نرم خوئی، خوش معاملگی، صبر و ضبط، عفو و تحمل، سخاوت و فیاضی، خوف و خشیت الٰہی، عبادت و ریاضت، حق گوئی و بیباکی، عجز و انکسار میں ان کی مثال نہیں ملتی تھی۔ جب تک عہدۂ قضاء پر متمکن رہے کسی بھی معاملہ میں ناانصافی نہیں کی اور اس معاملہ میں نہ کسی اپنے عزیز کی رعایت کی اور نہ پرائے کی۔ قاضی عیاض زہد و ورع میں بھی ممتاز تھے، صحیح العقیدہ تھے اور ان کو بدعات سے سخت نفرت تھی۔

جلاوطنی اور وفات

موحدین [1] کی تحریک کا ظہور ہوا تو قاضی عیاض بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ ۵۴۳ھ کے انتشار اور طوائف الملوکی کے دور میں قاضی صاحب جلاوطن ہو کر مراکش چلے گئے۔ یہاں ان کا جمادی الاخریٰ ۵۴۴ھ میں انتقال ہوا۔

تصنیفات

قاضی عیاض صاحب کمال اور نامور مصنف بھی تھے اور ان کی تصنیفات کی اہل سیر، علمائے فن اور تذکرہ نگاروں نے تعریف و توصیف کی ہے۔ ان کی تصنیفات کمیت و کیفیت دونوں اعتبارات سے بلند مرتبہ اور علم و فن کے ذخیرہ میں بیش قیمت خیال کی جاتی ہیں۔ قاضی عیاض کی تصنیفات کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ قاضی صاحب کی تصنیفات

---

(۱) موحدین کی تحریک کے بانی محمد بن تومرت تھے اور ان کا تعلق قصبہ سوس سے تھا۔ بہت عالم فاضل اور قابل شخص تھے۔ امام غزالی کے تلامذہ میں سے تھے۔ ۵۱۵ھ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی دعوت کا آغاز کیا۔ جب ان کا حلقہ اثر زیادہ وسیع ہوا تو انہوں نے مہدویت کا دعویٰ کر دیا۔ عبدالمومن جو ان کا خاص مرید اور معتقد تھا، ۵۲۰ھ میں اپنے انتقال سے پہلے اس کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس نے اندلس اور بلادِ مغرب سے مرابطین کی حکومت کا خاتمہ کر کے ان کو اپنے زیر نگین کر لیا۔ ۶۲۰ھ تک موحدین کی حکومت ان علاقوں میں رہی۔

کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ہر زمانہ کے اہل علم میں مقبول و متداول رہی ہیں۔
حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ

"قاضی عیاض کی شہرت ان کی تصنیفات کی وجہ سے ہوئی۔ یہ چار دانگ عالم میں مقبول ہوئیں اور ان کی شہرت دور دور ہوئی۔ ان کے وطن میں کسی شخص نے ان سے زیادہ کتابیں تصنیف نہیں کیں"۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ان کی ۲۴ کتابوں کے نام اپنی کتاب تذکرۃ المحدثین میں درج کئے ہیں۔ مگر یہاں آپ کی ۴ کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے :

جامع التواریخ : اس مبسوط اور جامع تاریخ میں اندلس اور بلادِ مغرب کے علمائے کرام اور ملوک کے حالات درج ہیں۔

مشارق الانوار : اس کتاب کا پورا نام "مشارق الانوار علی صحاح الآثار" ہے۔ یہ حدیث کی تین مشہور کتب موطا امام مالک، الجامع الصحیح البخاری اور صحیح مسلم کی شرح ہے۔ اس میں ان کی حدیثوں کے مشکل الفاظ اور غریب الفاظ کی تحقیق و تشریح، معانی و مطالب کی توضیح، راویوں کے ناموں کا ضبط اور ان کے اغلاط و اوہام اور تصحیفات وغیرہ پر تنبیہ کی گئی ہے۔

اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم : یہ صحیح مسلم کی شرح ہے اور امام ابو عبد اللہ محمد بن علی مازری کی مشہور شرح مسلم کتاب المعلم بفوائد کتاب مسلم کا تکملہ ہے۔

کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ : یہ قاضی عیاض کی بڑی مفید، مقبول اور بے نظیر کتاب ہے، جو شفاءِ قاضی عیاض کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس کتاب کی ائمہ فن اور اہل سیر نے بہت تعریف و توصیف کی ہے۔ ابنِ فرحون اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"مصنف کی انفرادیت، جدت اور سبقت و تقدم کا شرف و افتخار مسلم ہے۔ لوگوں نے اس کتاب کی نقل و روایت کر کے اس سے بڑا استفادہ کیا ہے اور شرق و غرب ہر جگہ اس کا غلغلہ بلند ہے"۔

صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں:

"یہ نہایت بیش قیمت اور مفید کتاب ہے۔ اس سے پہلے ایسی عمدہ اور نفیس کتاب

نہیں لکھی گئی۔"

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :

"یہ بڑی اہم اور عجیب اور نہایت مقبول کتاب ہے۔ بعض شعرائے کرام نے اس کی تعریف و توصیف میں اشعار کہے ہیں"۔

کتاب الشفاء میں آنحضرت ﷺ کی عظمت' شان اور آپ کے جلیل القدر منصب و مقام کو قرآن مجید' حدیث نبویؐ اور ائمہ عظام کے اقوال کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

کتاب الشفاء کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے اس کی شرحیں' تعلیقات اور مختصرات لکھے گئے ہیں۔ اردو میں بھی اس کے تراجم ہوئے ہیں۔

حافظ ذہبی اور بعض دوسرے علمائے کرام نے لکھا ہے کہ قاضی عیاض نے اس کتاب میں بعض ضعیف اور موضوع روایات بھی درج کی ہیں اور حدیث و اخبار کے نقد و تحقیق پر پورا دھیان نہیں دیا ہے۔

مراجع و مصادر

۱) ابنِ خلکان' تاریخ ابنِ خلکان
۲) ذہبی' تذکرۃ الحفاظ
۳) ابنِ فرحون' الدیباج المذہب
۴) شاہ عبد العزیز' بستان المحدثین
۵) محمد بن جعفر کتانی' الرسالۃ المستطرفہ
۶) ضیاء الدین اصلاحی' تذکرۃ المحدثین
۷) حاجی خلیفہ' کشف الظنون

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور

پھر آیا چاہتا ہے

اسے لانے میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی فکر کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مسترد کر کے خلافت کا علم کسی اور قوم کے ہاتھ میں تھمادے۔

بحث و نظر

کیا "مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" کلام حضرت موسیٰؑ کی جزوی فضیلت نہیں ہے؟

سعید احمد اسحاق نقشبندی کا تنقیدی مراسلہ اور محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی وضاحت

فروری ۱۹۹۸ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو نیو جرسی (امریکہ) کی Drew یونیورسٹی میں Drew Society for Scriptural Reasoning کے نام سے قائم ایک علمی حلقہ سے خطاب فرمانے کا موقع ملا۔ یہ حلقہ دراصل موجودہ بے خدا سیکولر نظامِ تعلیم کے خلاف ایک ردعمل کے طور پر اور آسمانی کتابوں کے جانب دوبارہ رجوع کی غرض سے قائم ہوا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے خطاب کو وہاں بہت دلچسپی کے ساتھ سنا گیا اور یونیورسٹی آف ورجینیا کے ایک پروفیسر Peter Ochs کی جانب سے تحسین آمیز خط بھی محترم ڈاکٹر صاحب کو موصول ہوا۔ اسی محفل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں محترم ڈاکٹر صاحب نے "وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا" کے حوالے سے آنجنابؑ کی جزوی فضیلت کا تذکرہ فرمایا، جسے محفل میں موجود ایک یہودی پروفیسر نے بہت سراہا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کا مذکورہ خطاب اور اس پر شرکاء کے ردعمل پر مشتمل تمام تفصیلات مرکزی انجمن کے سہ ماہی انگریزی مجلّہ "The Quranic Horizons" کے اپریل۔ جون ۹۸ء کے شمارے میں شائع کر دی گئی تھیں ـــــ اس پر ردعمل کے طور پر مسجد مہاجرین ساہیوال کے خطیب جناب ابوالظفر سعید احمد اسحاق نقشبندی کا ناقدانہ خط محترم ڈاکٹر صاحب کے نام موصول ہوا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جزوی فضیلت کے حوالے سے محترم ڈاکٹر صاحب کی رائے سے شدید اظہارِ اختلاف پر مبنی تھا۔ ذیل میں جناب ابوالظفر سعید احمد صاحب کا خط، محترم ڈاکٹر صاحب کی جوابی وضاحت سمیت ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

ابوالظفر سعید احمد اسحاق نقشبندی کا مکتوب

محترم المقام جناب ڈاکٹر صاحب۔ السلام مسنون الاسلام

امید ہے آپ مع اہل و عیال بخیر و عافیت ہوں گے۔

گزشتہ دنوں ایک انتہائی قابل احترام شخصیت کے توسط سے امریکہ میں آپ کے گھٹنے کی تبدیلی کے سلسلہ میں قیام کے دوران مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۹۸ء کو Drew University New Jercy میں "دعوت رجوع الی القرآن" کے عنوان سے آپ کے خطاب سے متعلق فرخ صدیقی صاحب کی رپورٹ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ آپ کے خطاب کا افتتاحیہ پڑھ کر دلی قلق ہوا کہ آپ جیسا جہاندیدہ دانشور، علومِ قرآن کا شناور، تنظیم اسلامی پاکستان کا سربراہ یہود و نصاریٰ کے دانشوروں کے سامنے اس حد تک مرعوب ہو جاتا ہے کہ یہ کہنا پڑے کہ موسیٰ علیہ السلام کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مکالمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ مکالمے سے superior تھا کیونکہ یہ جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے تھا۔ فیا للعجب، خدا خوش ہو نہ ہو یہودی ضرور خوش ہوئے۔ حیف ہے اس سوچ پر، حالانکہ یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ :

۱) جناب موسیٰ علیہ السلام ہر بار احکامات خداوندی کے لئے جبل طور پر جانے کے پابند تھے۔

۲) جناب موسیٰ علیہ السلام سے ہر بار پہاڑ پر پس پردہ گفتگو ہوئی۔

۳) جناب موسیٰ علیہ السلام نے خواہش دیدار کا اظہار کیا تو جواب "لَنْ تَرَانِیْ" ملا۔ اصرار پر کوہ طور کی طرف اللہ نے ان کو متوجہ کر کے کوہ طور پر ایک تجلی ڈالی فَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا (موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے)۔ ؎

اِک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو ‌ ‌ ‌ ‌ وہ اگر جلوہ کرے کون تماشائی ہو؟

اب اس کے مقابل افضل الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کا مقام عالیشان ملاحظہ ہو :

۱) وجہ تکوین کائنات محبوب عالی صفات علیہ اطیب الصلوٰۃ و التسلیمات کو احکاماتِ الٰہیہ کے لئے کسی خاص مقام پر حاضر ہونے کا پابند نہیں کیا گیا بلکہ رئیس الملائکہ، سدرۃ المنتہیٰ کا امام، بیت المعمور کا خطیب جبریلؑ ہمہ وقتی خادم کے طور پر ہر وقت ڈیوٹی پر حاضر ہے اور پیغاماتِ خداوندی سلامِ خداوندی کے ساتھ پہنچا رہا ہے ؎

آنکھ والا تری قدرت کا نظارہ دیکھے   دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے!

۲) فخرالرسل مولائے کل ﷺ سے بلا واسطہ مکالمہ بھی متعدد بار ہوا جسے حدیث قدسی کے نام سے آپ بھی تسلیم کرتے اور بیان بھی کرتے رہے ہیں۔ آپ کے موجودہ عقیدہ کا علم نہیں ہے۔ اس مکالمہ کیلئے بھی کسی خاص جگہ یا مقام کا پابند نہیں کیا گیا۔

۳) محبِّ اکبر جلّ مجدہ الکریم اپنے محبوب اکرم علیہ التحیہ والتسلیم کو بغیر کسی مطالبہ / خواہش جب وہ محو خوابِ استراحت تھے جگا کر بصد حشمت و شان اور انتظام و انصرام شب اسریٰ اپنے پاس بلایا۔ بلا حجاب زیارت سے مشرف فرمایا۔ شانِ محبوب یہ ہے کہ "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی" اور اس پر مستزاد "فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَااَوْحٰی" بالمشافہ گفتگو بھی فرمائی ؎

ہر یک بقدر خویش بجائے رسیدۂ   آنجا کہ جائے نیست تو آنجا رسیدۂ
موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات می نگری و ور تبسمی!

اندازہ کریں کہ پہاڑ پر پس پردہ مکالمہ اور مکان ولامکاں کی حدود سے پار بلا حجاب مکالمہ میں کتنا فرق ہے اور superior کون ہے؟ بھلا محب کے نزدیک اس کے محبوب کے سوا کوئی superior ہو سکتا ہے؟ آپ کے اس ذلت آمیز فقرہ پر یہودی پروفیسر کا بآوازِ بلند خوشی کے تونگرے برسانا مزید تحقیر کا اظہار پھر آپ کا فرمان کہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ سب تو قرآن موسیٰ علیہ السلام سے متعلق کہتا ہے۔ کیا آپ قرآن مجید' فرقان حمید' برہان شہید کی وہ آیت / لفظ بتلانا پسند فرمائیں گے جس سے آپ کے بیان کی تائید و تصدیق ہوتی ہو؟ فَاِنْ لَمْ فَاتَّقِ اللّٰہَ!

یہ تحریر خالصتاً خیر خواہی کے تحت ہے' حاشا للہ دل آزاری مطلوب / مقصود نہیں۔ وضاحت کا انتظار رہے گا۔ والسَّلام علٰی مَنِ اتَّبَعَ الھدٰی

منتظر جواب

احقر العباد

ابوالظفر سعید احمد اسحاق نقشبندی فریدی

امیر جماعت اہل سُنّت ضلع ساہیوال

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا وضاحتی مراسلہ

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

۱۵/ جون ۱۹۹۹ء

محترمی برادرم سعید صاحب' زید لطفکم
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے مفصل خط کا شکریہ۔ مزید بر آں آپ نے میرے بارے میں جن نیک آراء کا اظہار کیا ہے ان کا مزید شکریہ!! ـــــ پھر آپ نے یہ بھی بہت قابل تحسین و ستائش رویّہ اختیار کیا کہ معاملے کو پبلک میں لے جانے سے قبل مجھ سے وضاحت طلب کر لی ـــــ تاہم آپ سے ایک "خطا" بھی سرزد ہوئی ہے اور وہ یہ کہ میری وضاحت کے سامنے آنے سے قبل ہی یہ "فیصلہ" صادر فرما دیا کہ میں نے امریکہ میں علمائے یہود و نصاریٰ کی ایک مجلس میں جو بات کہی وہ "مرعوبیت" پر مبنی تھی۔ حالانکہ کم از کم امکان کے درجہ میں اس کی نفی نہیں ہو سکتی تھی کہ میرا طرزِ عمل حکمت دعوت و تبلیغ پر مبنی ہو' یا اس اصول پر مبنی ہو کہ حق پرستی کا تقاضا ہے کہ اگر دشمن میں بھی کوئی بات خیر اور بھلائی کی ہو تو اس کا برملا اعتراف کیا جائے۔

بہرحال میں سب سے پہلے اسی نکتے کی وضاحت کئے دیتا ہوں۔ میرا یہ موقف اچانک ظاہر نہیں ہوا بلکہ بہت پرانا ہے اور اس کا اظہار میں اپنے دروس و خطابات میں بارہا کر چکا ہوں۔ لہٰذا اس میں کسی فوری "مرعوبیت" کا امکان خارج از بحث ہے۔ البتہ میرے پاس اپنے موقف کی تائید میں جو دلائل ہیں وہ میں اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کئے دیتا ہوں ـــــ اس اعلان کے ساتھ کہ اگر اہل علم میرے اس استدلال کی غلطی واضح کر دیں گے تو مجھے اپنی رائے سے رجوع کرنے میں ہرگز کوئی باک نہیں ہو گا۔ اللّٰھم ارنا الحقّ حقًّا' وارزقنا اتِّباعہ' وارنا الباطل باطلًا وارزقنا اجتنابہ۔ آمین یا ربَّ العٰلمین!!

---

(۱) جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جملہ انبیاء و رُسل علیہم السلام پر مطلق فضیلت و فوقیت حاصل ہے' تو اس میں نہ کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے' نہ کسی

قیل و قال کا کوئی امکان۔ بلکہ بیسویں صدی عیسوی تو اس اعتبار سے بہت نمایاں ہے کہ اس کے دوران بے شمار غیر مسلم اربابِ علم و دانش نے یہ تسلیم کیا کہ آنحضور ﷺ پوری تاریخ انسانی اور پورے عالم انسانیت کی افضل ترین شخصیت ہیں۔ (مثلاً ایم این رائے' ایچ جی ویلز' اور ڈاکٹر مائیکل ہارٹ وغیرھم) ـــــ اور ظاہر ہے کہ حقیقت الحقائق سے محجوب انسانوں کی رسائی تو یہیں تک ہو سکتی ہے' ورنہ حقیقت نفس الامری کا علم رکھنے والے تو یہ بھی جانتے ہیں کہ آپؐ صرف انسانوں ہی نہیں جملہ مخلوقات سے اعلیٰ و افضل ـــــ اور ع "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!" کے کامل مصداق ہیں!

(۲) تاہم متعدد احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ آپؐ نے اپنی اس فضیلت مطلقہ کے بیان و اعلان' بالخصوص دوسرے انبیاء و رُسل کے نام لیواؤں کے ساتھ جن رسولوں کی جانب وہ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہوں ان کے مقابل میں آپؐ کی افضلیت پر اصرار و تکرار سے منع فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ انبیاء و رسل کی مقدس جماعت میں سے وہ واحد رسول جن کے ضمن میں خطاء اجتہادی اور اس پر گرفت کا ذکر قرآن میں آیا ہے یعنی حضرت یونس علیہ السلام' آنحضور ﷺ کی متعدد احادیث میں یہ حکم موجود ہے کہ مجھے ان پر بھی فضیلت مت دو! چنانچہ ایک جانب بخاری' مسلم' ترمذی اور ابوداؤد میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپؐ کے یہ الفاظِ مبارک نقل ہوئے ہیں کہ ((لَا تُخَیِّرُوْنِی عَلٰی مُوسٰی)) اور بخاری اور مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں آپؐ کے یہ جامع الفاظ منقول ہیں کہ ((لَا تُخَیِّرُوْنِی مِن بَیْنِ الانبیاء)) ـــــ اور دوسری جانب بخاری' مسلم اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے' بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے' ابوداؤد میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے اور بخاری اور مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ روایات موجود ہیں جن میں آپؐ نے فرمایا کہ مجھے یونس بن متیٰ علیہ السلام سے افضل یا بہتر مت قرار دو! ـــــ یہاں تک کہ صحیح بخاری میں جو الفاظِ مبارکہ آپؐ کے نقل ہوئے ہیں وہ یہ ہیں: "جس کسی نے کہا کہ میں یونسؑ بن متیؒ سے بہتر ہوں اس نے جھوٹ بولا!" (آنحضور ﷺ کے ان ارشادات و فرامین کی روشنی میں آپ اپنے اس طرزِ عمل پر نظر ثانی فرمائیں جو آپ کے خط میں آنحضور ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین مقابلے اور موازنے کی صورت میں

سامنے آیا ہے۔)

آنحضور ﷺ کے ان ارشادات کی بنیاد محض تواضع و انکسار کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے ـــــ لیکن میرے نزدیک ان میں جو اصل حکمت کارفرما ہے وہ ہے حکمت دعوت و تبلیغ ـــــ یعنی بالکل ایسے جیسے قرآن میں ہمیں منع کیا گیا ہے کہ مشرکوں کے معبودانِ باطلہ کو گالی مت دو مبادا کہ ان میں عصبیت جاہلی کا ردعمل اُبھر آئے' اسی طرح دوسرے انبیاء و رسل پر آنحضور ﷺ کی فضیلت یا افضلیت کے بیان سے بھی ان کے نام لیواؤں میں عصبیت جاہلی کے بھڑک اُٹھنے کا اندیشہ ہے جو تبلیغ اور دعوت کے راستے کو مسدود کر دے گی ـــــ جبکہ پوری دنیا میں مسلم اصول کے مطابق کہ "عطر آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید!" آنحضور ﷺ کی افضلیتِ مطلقہ اظہر من الشمس اور "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کے مصداق از خود واضح و مبرہن اور اتنی "بیّن" ہے کہ اسے کسی خارجی بیان و تبیین کی کوئی حاجت ہی نہیں ـــــ بلکہ اندیشہ ہے کہ اس کے بیان میں اپنے عجزِ بیان پر مبنی تقصیر کی بنا پر ہم کسی نادانستہ توہین کے مرتکب نہ ہو جائیں! چنانچہ اسی بنا پر غالب نے آنحضور ﷺ کی مدح و ثنا خود کرنے کی جسارت نہیں کی بلکہ یہ کام اللہ ہی کے حوالے کر دیا' یعنی ؎

"غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم   آں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است!"

اسی حکمتِ دعوت و تبلیغ کا یہ مظہر بھی ہمیں قرآن حکیم میں نظر آتا ہے کہ اہل کتاب کی جملہ ضلالتوں اور گمراہیوں ـــــ اور ان کے گوناگوں اعتقادی' علمی' عملی اور اخلاقی عوارض و علل کے مفصل بیان کے ساتھ ان میں اگر کہیں خیر کا کوئی شمہ بھی موجود تھا تو اس کا اعتراف و اعلان بڑے اہتمام کے ساتھ کیا گیا ہے ـــــ جیسے کہ سورۂ آل عمران کی آیت ۷۵ میں فرمایا گیا کہ ﴿ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ﴾ "ان اہل کتاب میں ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کے پاس ڈھیروں سونا امانت رکھوا دو تو وہ اسے واپس کر دیں گے" ـــــ اسی طرح اسی سورۂ مبارکہ کی آیات ۱۱۳ تا ۱۱۵ میں بھی ان کے بعض لوگوں کے محاسن و محامد کا بیان بہت شرح و بسط کے ساتھ ہوا ہے!

(۳) نبی اکرم ﷺ کی فضیلت مطلقہ کے قطعی اور حتمی طور پر متفق علیہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ بعض جزوی فضیلتوں کا معاملہ مختلف ہو سکتا ہے۔

اور جس طرح ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جانتے ہیں کہ اگرچہ ان میں افضلیت مطلقہ کا مقام تو "افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ" کو حاصل ہے' تاہم جزوی فضیلتوں کے اعتبار سے لسانِ نبوت علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے بھی افعل التفضیل کے صیغے استعمال ہوئے ہیں جیسے: "احیاهم عثمان رضی اللہ عنہ" اور "اقضاهم علی رضی اللہ عنہ" اور "اقرء هم ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ" اور "اعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ"۔ اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے تو "محدثیت" کی صراحت بھی ہوئی' اور اس امر کی بھی کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتے ——— اسی طرح انبیاء کرام میں سے بعض کی بعض جزوی اعتبارات سے فضیلت خصوصی کا ذکر قرآن میں صراحت کے ساتھ ہوا ہے ——— چنانچہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۳ اِس پر نص قطعی کا درجہ رکھتی ہے' جس میں اس اصول کے بیان کے ساتھ ساتھ کہ ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ "ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے" دو جزوی فضیلتوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا' یعنی ایک یہ کہ ﴿ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ﴾ "ان میں سے وہ بھی ہے جس سے اللہ نے کلام فرمایا" جس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور دوسرے یہ کہ روح القدس کی تائید سے ظہور میں آنے والے عظیم ترین حسی معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے گئے۔ (ان دونوں کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ سورۂ آل عمران میں یہود اور نصاریٰ کو اسلام کی دعوت نہایت الحاح و اصرار اور حد درجہ Passionate انداز میں دی گئی ہے ——— اور وہ ان ہی دو جلیل القدر رسولوں کے نام لیوا تھے!)

خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے سورۃ البقرہ کی اس آیت (۲۵۳) کی مزید شرح و تفصیل سورۃ النساء کی آیات ۱۶۳'۱۶۴ میں ملتی ہے' جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات نوح' ابراہیم' اسمٰعیل' اسحٰق' یعقوب' عیسیٰ' ایوب' یونس' ہارون' سلیمان اور داؤد علیہم السلام کے ذکر کو تو ایک آیت میں سمیٹ لیا گیا اور ان کے ضمن میں تو لفظ "اَوْحَیْنَا" وارد ہوا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر مستقل اور جداگانہ طور پر اگلی آیت میں آیا' اور ان کے لئے ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ کے الفاظ وارد ہوئے' یعنی "اور موسیٰ سے تو اللہ نے کلام کیا جیسے کلام کیا جاتا ہے ——— یا جیسے کلام کرنے کا حق ہے!" ——— چنانچہ یہی

وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تولقب ہی "کلیم اللہ" قرار پایا۔

بہرحال براہِ راست کلام الٰہی سے مشرف ہونے کے اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام' اور عظیم ترین حسی معجزات عطا کئے جانے کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جزوی فضیلت حاصل ہونے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت مطلقہ میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ (واضح رہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم ترین معجزہ قرآن ہے' جو اگرچہ تمام معجزات سے اعلیٰ وافضل ہے —— لیکن وہ معنوی ہے' حِسّی نہیں)

(۴) جہاں تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسانوں میں سے کسی کے "کلام" کرنے کا تعلق ہے تو اس موضوع پر قرآن حکیم کا ذروۂ سنام سورۃ الشوریٰ کی آیت ۵۱ ہے' جس میں کسی "بشر" سے اللہ تعالیٰ کے "ہم کلام" ہونے کی تین ممکن صورتیں بیان ہوئی ہیں —— جن میں اوّلین ہے براہِ راست وحی (یعنی تحدیثِ نفسی یا نفث فی الرّوع یا الہام و القاء کی مختلف صورتیں) پھر ہے "مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ" کلام جس میں بشر اپنے سر کے کانوں سے براہ راست اللہ کا کلام سنتا ہے' —— اور پھر ہے بالواسطہ یعنی فرشتے کے ذریعے وحی۔ اور اس کے مابعد آیت ۵۲ میں جو فرمایا کہ ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ﴾ "اسی طرح ہم نے وحی کیا ہے اپنے امر میں سے ایک روح (یعنی قرآن) کو آپ کی جانب" تو اس سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی وحی تو اس تیسرے طریق پر ہوئی ہے (یہی وجہ ہے کہ سورۃ الشوریٰ کی آیات ۴ اور ۷ میں بھی آغاز اسی لفظ "كَذٰلِكَ" سے ہوا ہے جس سے اس آیت مبارکہ یعنی (آیت ۵۲) کا) اگرچہ وحی غیر متلو یعنی وحی خفی کی بہت سی صورتیں (بشمول کشف و رؤیائے صادقہ) کلامِ الٰہی کی دوسری شکل یعنی براہِ راست اور بلاواسطہ وحی کے ذیل میں آتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان ہی میں احادیث قدسیہ بھی شامل ہیں!

البتہ جہاں تک "کلام مِن ورائے حجاب" کا تعلق ہے سب جانتے ہیں کہ اس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے جن کو یہ خصوصی سعادت اتنی مرتبہ حاصل ہوئی کہ ان کی آتش شوق بھڑک اُٹھی کہ آخر کب تک یہ معاملہ جاری رہے گا کہ ؎ "کیا قیامت ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں!" کیوں نہ یہ "حجاب" اٹھا ہی دیا جائے جس پر "لَنۡ تَرٰىنِىۡ" کا دوٹوک فیصلہ بھی سنا دیا گیا —— اور پھر

تجلّیٔ ربانی کے بالواسطہ مشاہدے کی بھی تاب نہ لاسکنے کا عملی تجربہ بھی کروا دیا گیا!

بہر حال اسی عالم مادی ــــ اور روئے ارضی پر رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست اور بلا واسطہ (اگرچہ پردے کی اوٹ سے) کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک منفرد لیکن جزوی فضیلت ہے جس کے اعتراف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت مطلقہ پر کوئی حرف نہیں آتا! (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اسی طرح کی ایک جزوی فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ علیہ السلام کو احکامِ عشرہ پتھر کی تختیوں پر لکھی ہوئی صورت میں عطا کئے گئے۔ جن کے ضمن میں متن اور قراءت کے کسی اختلاف کا امکان ہی نہ تھا!)

(۵) رہا اس عالمِ مادیت سے ماوراء' عالِمِ امر یا عالِمِ ارواح کے معاملات تو ان کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ اس میں واقعۂ معراج سے قطع نظر جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم کون و مکان سے وراء الوراء مقام تک لے جائے گئے' خود اس روئے ارضی پر موجود ہوتے ہوئے بھی جو قرب و وصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہوتا تھا ــــ جس کا ذکر حدیث صحیح میں ان الفاظ میں موجود ہے کہ ((اَبِیتُ عِنْدَ رَبِّیْ هُوَ يُطْعِمُنِیْ وَيَسْقِيْنِی)) وہ ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے' ــــ اور قرب کے اس عالم میں جو باتیں رب و عبد کے مابین ہوتی ہوں گی' جن کے ضمن میں یہ شعر بہت برمحل ہے کہ ؎ "میانِ عاشق و معشوق رمزیست۔ کہ جبریل امیں را ہم خبر نیست!" وہ بھی ہمارے دائرۂ بحث سے خارج ہیں۔

(۷) جہاں تک علامہ اقبال کے اس شعر کا تعلق ہے کہ ؎

"موسیٰ زہوش رفت بیک پرتوِ صفات ــــ تو عینِ ذات می نگری در تبسّمی!"

تو گزارش ہے کہ میں حضرت علامہ کی عظمت و جلالت قدر سے کم از کم اس حد تک واقف ہونے کے باوجود کہ میں نے انہیں اسلام کے انقلابی فکر کا "مجدد" قرار دیا ہے انہیں نہ معصوم سمجھتا ہوں نہ شاعرانہ مبالغہ آرائی سے بالکلیہ مبراء و منزہ۔ انہوں نے پہلی غلطی تو یہ کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تجربات کے مابین موازنہ و مقابلہ کیا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات کے منافی ہے جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے' ثانیاً ان کے مابین contrast کو highlight کرنے کے لئے ایک جانب تو کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی کو محض "پرتوِ صفات" قرار دے دیا' حالانکہ قرآن مجید میں نہ

صرف یہ کہ اس کے لئے کوئی بنیاد موجود نہیں' بلکہ الفاظ مبارکہ ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ ﴾ سے تو گمانِ غالب "تجلّیٔ ذات" کی جانب رخ کرتا ہے ـــــ اور دوسری جانب شبِ معراج میں آنحضور ﷺ کے رؤیتِ ذاتِ باری تعالیٰ سے مشرف ہونے کے مختلف فیہ مسئلے کو ایک مسلّمہ حقیقت کے طور پر بیان کر دیا' حالانکہ یہ معاملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بھی مختلف فیہ رہا (چنانچہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ رویت کے قائل ہیں' وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتے ہیں!) ـــــ اور قرآن حکیم میں بھی بات صرف ﴿ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴾ پر ختم کر دی گئی ہے ـــــ!

بہرحال ـــــ یہ ہیں موضوع زیر بحث سے متعلق میری معروضات! ـــــ جیسے کہ میں اس سے قبل لکھ چکا ہوں' ان کے ضمن میں اگر میرے فہم و فکر نے کوئی ٹھوکر کھائی ہے' تو اگر اسے دلائل کے ساتھ واضح کر دیا گیا تو' ان شاء اللہ العزیز' میں اس سے رجوع کرنے میں ہرگز تامل نہیں کروں گا ـــــ آخر میں اس امید کے ساتھ کہ آپ میری گزارشات پر ہمدردانہ غور کریں گے' یہ درخواست بھی ہے کہ اگر میری باتیں صائب نظر آئیں تو دو سطری تصویب بھی تحریر کر دیں' میں ممنون ہوں گا۔ اور اگر آپ اپنی تنقید پر قائم رہتے ہوئے اپنا خط شائع کریں تو دیانت کا تقاضا ہو گا کہ میری ان وضاحتوں کو بھی ساتھ ہی شائع کریں ـــــ خواہ ان پر اپنا محاکمہ بھی شامل فرما دیں۔ فقط والسلام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ :

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ

"تم میں بہترین وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا"

دینِ ابراہیمؑ اور ریاست اسرائیل
قرآن مجید کی روشنی میں (۳)

تالیف : عمران این حسین ــــــ اردو ترجمہ : سید افتخار احمد

بابِ سوم

قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کے عہد سے اسمٰعیلؑ کا اخراج

اب ہم قرآن مجید کو تورات کے اس دعویٰ کی جانچ کے لئے بطور کسوٹی استعمال کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے :

- اسمٰعیل علیہ السلام کو اپنے میثاق سے خارج کیا (اور اس طرح ان کو اپنے والد کی وراثت سے محروم کیا)
- اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو ابراہیم علیہ السلام کی نسل کے اعزاز سے خارج کیا (کیونکہ اضحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا)
- اور اسمٰعیل علیہ السلام کی تذلیل کی (وہ گورخر کی طرح آزاد مَرد ہو گا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے)۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اقرار فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کا چند احکام کے ذریعے امتحان لیا' جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اعلان فرمایا : ﴿ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ "میں تمہیں دُنیا کا امام و پیشوا (مذہبی لیڈر یا برگزیدہ پیغمبر) مقرر کرتا ہوں۔" انہوں نے التجا کی ﴿ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِیۡ ﴾ "اور میری اولاد میں سے بھی (امام و پیشوا پیدا کر)" اللہ نے جواب دیا ﴿ لَا يَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِيۡنَ ﴾ "مگر میرا وعدہ ان کے لئے نہیں ہے جو ظلم کرنے والے ہیں۔" (البقرہ ۲ : ۱۲۴)

عہد نامہ

ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا میثاق ایک متبرک آسمانی عہد ہے جس کے ذریعے ان کو اور ان کی نسل کو امام (یعنی مذہبی پیشوا) کے درجہ پر فائز کیا گیا۔ اس عہد نامہ کا خلاصہ درج ذیل ہے :-

- کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔
- کہ ابراہیم علیہ السلام اَبُ الانبیاء (نبیوں کے باپ) ہوں گے۔
  یعنی آنے والے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے۔
- کہ وحی الہیہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کے پیغمبروں پر نازل ہوگی۔
- کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کے پیغمبروں کا کنعان (فلسطین) کی متبرک سرزمین سے خاص تعلق رہے گا۔
- کہ تمام پیغمبر بنی ابراہیمؑ کے اس دین کی طرف رہنمائی کریں گے۔ جو تمام انسانیت کے لئے نمونہ بنے۔
- کہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل کو فلسطین کی متبرک سرزمین عطا کی جائے گی' جس کا مقصد ایک ایسی مثالی امت کا قیام و دوام ہے جو دین ابراہیمؑ پر کاربند رہے۔
- کہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل کے ان لوگوں کو جو ظلم کا راستہ اختیار کریں (یعنی گناہ اور فریب کے مرتکب ہوں)' انسانیت کی امامت و پیشوائی کے درجہ اور فلسطین کی متبرک سرزمین کی ملکیت' جو ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں' سے خارج کر دیا جائے گا۔
- کہ یہ میثاق ابراہیم علیہ السلام کی نسل کے کچھ لوگوں کے ساتھ آخری پیغمبر کے آنے تک جاری رہے گا۔
- کہ فلسطین کی متبرک سرزمین اُس وقت تک ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہی کی ملکیت رہے گی جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس عہد کے ساتھ وفا کریں گے۔

قرآن مجید تورات کے اس دعویٰ کی تردید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کو اس میثاق سے خارج کر دیا۔ اس ضمن میں قرآن مجید کے مندرجہ ذیل ثبوت

ملاحظہ ہوں۔

پہلا ثبوت : آج کے یہود کے نظریہ کے مطابق اسمٰعیل علیہ السلام کا میثاق سے اخراج یہ واضح کرتا ہے کہ صرف یہودی ہی اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں۔ ان کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا اطلاق صرف ان پر ہی ہے۔ نتیجتاً وہ مانتے ہیں کہ پیغمبری بھی صرف ان کا ہی حق ہے۔ کیونکہ وحی اور پیغمبری میثاق کے اسی موضوع سے متعلق ہے۔ لہٰذا اسمٰعیل علیہ السلام پیغمبر بھی نہیں ہو سکتے۔ یعنی اگر میثاق کے حق دار صرف اسحٰق علیہ السلام ہیں جیسا کہ تورات میں مذکور ہے اور اسمٰعیل علیہ السلام اس سے خارج ہیں تو اسمٰعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی نہیں ہو سکتے۔ اس کی تصدیق بھی تورات میں مذکور ہے جب تورات نے ان کی تذلیل کی : "یعنی وہ گورخر کی طرح کا آزاد مَرد ہو گا......." ایک گورخر کی طرح کا آزاد مَرد کبھی بھی اللہ تعالیٰ کا پیغمبر نہیں ہو سکتا۔

قرآن کی رو سے ابراہیم علیہ السلام کے میثاق کے مطابق انہیں (اسمٰعیل علیہ السلام) کو امام و پیشوا مانا گیا ہے۔ قرآن مجید کی آیت ۲ : ۱۲۴ کے سیاق و سباق میں امام کی اصطلاح مذہبی پیشوائیت کے پیکر اور مرکز و محور ہونے کے ناطے پیغمبر ہی کے ہم معنی ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ کیا میری اولاد میں سے بھی؟ تو اس کا واحد مطلب یہی تھا کہ کیا میری اولاد میں سے بھی؟ پیغمبر مبعوث کئے جائیں گے۔ چنانچہ قرآنی نظریہ کے مطابق بھی اسمٰعیل علیہ السلام کا اخراج اگر ہو تو اس سے مراد پیغمبری سے اخراج ہی ہے۔ لیکن قرآن مجید نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ اسمٰعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے :

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴾ (مریم ۱۹ : ۵۴)

"اور ذکر کر کتاب میں اسمٰعیل (علیہ السلام) کا کہ یقیناً وہ وعدہ کا سچا تھا اور تھا وہ (اللہ تعالیٰ کا) رسول اور نبی"۔

جیسا کہ قرآن مجید تصدیق کرتا ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ میثاق میں شامل تھے۔ لہٰذا تورات کا اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں میثاق سے اخراج کا بیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھا۔ یہ کذب ہے اور اس پر یقین کرنا شرک ہے۔ کسی موقع پر تورات میں اسمٰعیل علیہ السلام کو میثاق سے خارج کرنے کی تبدیلی

کی گئی ہے۔ یہ تبدیلی کیوں کی گئی؟ اس تبدیلی کا مقصد و مدعا کیا تھا؟ یہ تبدیلی کس نے کی؟ یہ تبدیلی کب کی گئی؟ ان سوالوں کے جواب کے لئے ہم دوبارہ رجوع کریں گے۔

دوسرا ثبوت : اگر اسحٰق علیہ السلام میثاق کے انعام یافتہ اور اسمٰعیل علیہ السلام خارج شدہ ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے کوئی پیغمبر نہیں ہو گا۔ کیونکہ پیغمبری ہی اس میثاق کا نتیجہ ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ صرف کسی اسرائیلی (یہودی) پر ہی وحی نازل ہو سکتی ہے۔ مگر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ تصدیق کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول تھے۔ اور یہ بھی تصدیق ہے کہ قرآن مجید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا گیا تاکہ وہ ان لوگوں کو خبردار کریں جن کے باپ دادا خبردار نہیں کئے گئے تھے۔

﴿ يٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ○ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ ۳۶ : ۱-۶)

"یٰسین! قسم ہے اس محکم قرآن کی۔ آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً (اللہ تعالیٰ کے) پیغمبروں میں سے ہیں' سیدھے راستے پر ہیں (اور یہ قرآن) غالب اور رحیم ہستی کا نازل کردہ ہے۔ تاکہ آپؐ خبردار کریں ایسی قوم کو کہ جس کے باپ دادا خبردار نہیں کئے گئے تھے اور اس وجہ سے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔"

قرآن مجید واضح طور پر تصدیق کرتا ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد ان کی نسل کے عربوں میں کوئی پیغمبر پیدا نہیں ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمایا۔ وہ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے اسرائیلی نہیں تھے۔ اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربوں کی طرف اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں سے بیان کئے گئے ہیں۔ اور ان کا شجرہ نسب بھی براہ راست اسمٰعیل علیہ السلام سے ملتا ہے۔

صحیح مسلم کی کتاب الفضائل میں حدیث ہے کہ واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا : "اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں سے کنانہ کو فضیلت عطا فرمائی' کنانہ میں سے یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے قریش کو عطا فرمائی' قریش میں یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے بنی ہاشم کو عطا فرمائی۔ اور بنی ہاشم کے قبیلہ میں یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی"۔

سلامہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ اسلم کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اے بنی اسمٰعیل! تیر اندازی کی مشق کرو کیونکہ تمہارے والد بڑے ماہر تیر انداز تھے۔ میں فلاں بن فلاں کے ساتھ ہوں۔" یہ سن کر ایک جماعت نے تیر اندازی بند کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کیوں رُک گئے؟ انہوں نے جواب دیا : اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کیسے تیر اندازی کر سکتے ہیں جب کہ آپ ہماری مخالف جماعت کے ساتھ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جاری رکھو' کیونکہ میں تم سب کے ساتھ ہوں"۔ (بخاری' کتاب الانبیاء)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "ابراہیم علیہ السلام نے سچائی کو نہیں چھپایا' سوائے تین موقعوں کے۔ دو دفعہ اللہ تعالیٰ کے لئے جب انہوں نے کہا کہ "میں بیمار ہوں" اور "یہ بڑے بت نے کیا ہے"......تب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "اے بنی ماء السماء (اے جنت کے پانی یعنی زم زم کی نسل!) ہاجرہ (سلام علیہا' اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ) تمہاری ماں تھی۔" (بخاری' کتاب الانبیاء)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو "ابن الذبیحین" "دو قربانیوں کا بیٹا" سے تعبیر فرمایا۔ (یعنی دو باپ جو اللہ تعالیٰ کے حضور قربان ہونے والے تھے۔ ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد اسمٰعیل علیہ السلام) جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی (یعنی قرآن مجید) نازل ہوئی' اس طرح جس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بیان جو تورات میں اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی نسل کے میثاق سے اخراج کے بارے میں ہے' جھوٹ ہے۔ اور یہ شرک ہے۔

دراصل آج کے یہود و نصاریٰ کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کی الہامی حقانیت سے مسلسل انکار کا ایک جزوی سبب ان کا یہ اعتقاد ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کے میثاق سے اخراج کے بعد نبوت اور وحی صرف اور صرف اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام کی نسل کا حق ہے اور جب بھی موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام کی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی پیشین گوئی کی گئی تو انہوں نے اسے چھپایا یا توڑ مروڑ کر بیان کیا۔ یقیناً اس غلط بیانی کا مقصد قرآن مجید

کی حقانیت کو چھپانا ہے۔ قرآن مجید بنی اسرائیل کو تنبیہ کرتے ہوئے اسی تحریف کا حوالہ دیتا ہے :

﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾

(البقرة ۲ : ۴۲)

"اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر!"

تیسرا ثبوت : جیسا کہ تورات میں مذکور ہے کہ صرف اسحٰق علیہ السلام میثاق میں شامل ہیں اور اسمٰعیل علیہ السلام بالخصوص میثاق سے فارغ شدہ ہیں' تو اس کا مطلب ہے کہ اسحٰق علیہ السلام کو ہی قربان کیا جانے والا بچہ ہونا چاہیئے تھا نہ کہ اسمٰعیل علیہ السلام کو' جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا تھا۔ ایسا کیوں؟ کیونکہ اسمٰعیل علیہ السلام تورات کے مطابق میثاق سے ہی فارغ تھے اور ان پر ذلت تھی کہ "وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہو گا۔ اس کے ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے۔" اور ایسا بیٹا جس سے ابراہیم علیہ السلام کی نسل نہیں چلے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ ایسے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا جارہا ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ تو ابراہیم کا کوئی امتحان نہ ہوا' یا ان کی طرف سے کوئی قربانی نہ ہوئی۔ اور جیسا کہ تبدیل شدہ تورات کے مطابق اسمٰعیل علیہ السلام کی تذلیل کی گئی ہے اور پھر وہ میثاق میں بھی شامل نہیں ہے۔ پھر تو اصولی طور پر اسحٰق علیہ السلام جن کے لئے میثاق ہے' کو ہی قربانی والا بچہ ہونا چاہیئے۔ اسی لئے تحریف شدہ تورات جسے J.H. Hertz نے مدون کیا ہے' بیان کرتی ہے :

> "ان باتوں کے بعد یہ ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا اور اس سے کہا "اے ابراہام!" اس نے کہا "میں حاضر ہوں۔" تب اس نے کہا کہ "تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا بیٹا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے' ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا' سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا"۔ (پیدائش ۲۲ : ۱-۲)

یہی بیان W. Gunther Plaut کی مدون کردہ تورات میں ملاحظہ کیجئے :

> "کچھ عرصہ بعد خدا نے ابراہام کا امتحان لیا۔ اس نے اس سے کہا "ابراہام!"......اپنے بیٹے کو لے جا۔ اپنے پسندیدہ اضحاق کو جس سے تجھے محبت ہے' موریاہ کی سرزمین پر جا اور اسے وہاں سوختنی قربانی کے طور پر پیش کر"۔

(پیدائش ۲۲ : ۱۔۲)

اس کے بعد ملاحظہ کیجئے کس طرح کیتھولک اپنی کتاب

"New American Bible for Catholics (with revised New Testament and revised Book of Psalms)"

میں اس کو پیش کرتے ہیں :

"ان باتوں کے کچھ عرصہ بعد خدا نے ابراہام کا امتحان لیا۔ اس نے کہا "اے ابراہام! وہ بولا۔ "میں حاضر ہوں" تب خدا نے کہا "اپنے بیٹے اضحاق کو جو تمہارا اکلوتا ہے جس سے تمہیں پیار ہے' اپنے ساتھ موریاہ کی سرزمیں میں لے جاؤ۔ وہاں تم اسے سوختنی قربانی کے طور پر ایک بلندی پر جو میں تمہیں بتاؤں گا پیش کرنا"۔ (پیدائش ۲۲ : ۱۔۲)

اب یہاں نوٹ کریں کنتھر پلاٹ نے الفاظ "Your favourite one" استعمال کئے ہیں اور کیتھولک "Your only one" (تمہارا اکلوتا) کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یوں وہ صحیح ترجمہ کرنے کی بجائے الجھاؤ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ الفاظ اس لئے مسئلہ کھڑا کرنے والے ہیں کہ اسحٰق علیہ السلام کبھی بھی اکلوتے بیٹے نہ تھے۔ یہ صرف اسمٰعیل علیہ السلام ہی تھے جو کسی وقت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تورات میں تبدیلی کا عمل اب بھی جاری ہے۔ بہرحال "اکلوتا بیٹا" کے الفاظ جو موجود رہ گئے ہیں' ظاہر کرتے ہیں کہ اصل تورات میں یہ قربانی اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں ہی تھی۔

یہ بات اہم ہے کہ قرآن مجید کے واضح الفاظ میں ابراہیم علیہ السلام کے لئے "اچھی خبر" اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے بعد مذکور ہے۔

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ○ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ○ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○

﴿ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۰۔۱۱۲)

(ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی) "اے پروردگار، مجھے ایک بیٹا عطا کر، جو صالحوں میں سے ہو"۔ (اس دعا کے جواب میں) ہم نے اس کو ایک حلیم (بردبار) لڑکے کی بشارت دی۔ وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیمؑ نے اُس سے کہا "بیٹا، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا، تیرا کیا خیال ہے؟" اس نے کہا "ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالئے، آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے"۔ آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا اور ہم نے ندا دی کہ "اے ابراہیمؑ، تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی"۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔ اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیمؑ پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا اور ہم نے اسے اسحٰقؑ کی بشارت دی، ایک نبی صالحین میں سے"۔

وحی الٰہی میں قربانی کے واقعہ کے فوراً بعد اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کے ذکر کا مقصد اس سے زیادہ واضح نہیں ہو سکتا۔ اب یہ بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو مطلع کیا ہے کہ اسحٰق علیہ السلام قربانی کے واقعہ کے بعد پیدا ہوئے۔ چنانچہ جب قربانی کا واقعہ پیش آیا اسمٰعیل علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ہم دوبارہ بیان کرتے ہیں کہ اسحٰق علیہ السلام کبھی بھی ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے نہیں تھے۔ لہٰذا تورات کے موجودہ نسخے میں مذکور کہانی غلط ہے۔ قربانی والا بچہ مسلمہ طور پر اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ درحقیقت "اکلوتا بیٹا" کے الفاظ جو تورات میں موجود رہ گئے۔ اس بات کا ثبوت ہیں کہ اصل تورات میں قربانی والے بچہ کا نام اسمٰعیل علیہ السلام تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تصدیق کی کہ اسمٰعیل علیہ السلام ہی قربانی والا بچہ تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو "ابن الذَّبیحین" یعنی دو قربانیوں والا بیٹا (یعنی اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کی قربانی) سے تعبیر کیا ہے۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسمٰعیل علیہ السلام قربانی والے بچے تھے۔ لہٰذا وہ میثاق سے خارج نہیں تھے۔ تورات میں قربانی

والے بچے کا نام اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ اسحٰق علیہ السلام سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ صرف اس مقصد کے لئے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کو میثاق سے خارج کر کے ایک بڑی تبدیلی کی جائے گی۔

یہ تو وحی کی دلیل ہے' اس کے علاوہ تاریخی دلیل بھی ہے۔ اسلام سے پہلے بت پرست عرب جو اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے سے متواتر ہر سال ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد ان کے بیٹے کی جگہ ایک مینڈھے کی قربانی سے منایا کرتے تھے۔ وہ ایسا ہر سال' سالانہ حج کے موقع پر کیا کرتے تھے جہاں بے شمار جانور قربان کئے جاتے تھے۔ حالانکہ وہ لکڑی اور پتھر کے بتوں کی پوجا کرتے تھے' مگر قربانی کے جانور کی بے حد تعظیم کیا کرتے تھے۔ یہ جانور خاص طور پر چنے جاتے تھے' ان کی خاص پرورش اور حفاظت کی جاتی تھی' ان کو خوبصورتی سے سجایا جاتا تھا اور قربانی کے لئے دور دراز سے کعبہ لے جایا جاتا تھا۔ قربانی کو متبرک طریقے سے ادا کیا جاتا تھا' جس کی روگردانی کی کسی عرب میں ہمت نہیں تھی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ : اگر (جیسا کہ تورات میں مذکور ہے) قربانی والا بچہ اسحٰق علیہ السلام تھے اور اگر (جیسا کہ تورات میں مذکور ہے) قربانی موریاہ پہاڑ (یہ پہاڑ یروشلم میں متبرک پہاڑ کے طور پر مانا جاتا ہے جہاں اب چٹان کا گنبد موجود ہے یعنی مسجد اقصیٰ) پر ادا ہوئی اور اگر موریاہ پہاڑ فلسطین میں ہے تو تمام بنی نوع انسان میں صرف عرب کے بت پرست جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے' کیوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کے واقعہ کے گزرنے کے ہزاروں سال بعد تک تسلسل سے اصلی قربانی کا تہوار مناتے چلے آرہے تھے؟ اور کیوں آج بھی یہ تہوار اسی طرح عرب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں بنی ہوئی مسجد کعبہ پر لاکھوں جانور قربان کر کے بلکہ تمام روئے زمین پر سالانہ اسلامی تہوار عید الاضحیٰ کے موقع پر منایا جاتا ہے؟ اس کا ایک ہی منطقی جواب ممکن ہے کہ قربانی والا بچہ یقینی طور پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ اور قربانی عرب میں اس مسجد (خانہ کعبہ) کے پاس ادا ہوئی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے مل کر بنائی تھی۔ بت پرست عربوں کے اس تاریخی شواہد کے علاوہ قرآن مجید میں اس کی بہترین وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قربانی کے اس واقعہ کی یاد کو ہمیشہ کے لئے سالانہ حج کے موقعہ پر ادائیگی کے ساتھ محفوظ کر دیا ہے۔

﴿ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ ﴾

(الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۷،۱۰۸)

"اور ہم نے بدلا دیا اس کو ایک عظیم قربانی سے اور باقی رکھا ہم نے اس کو پچھلے لوگوں میں (یعنی اس قربانی کو بعد میں آنے والوں کے لئے عظیم رسم بنا دیا)"

اب سوال یہ ہے کہ تورات کو کس نے تبدیل کیا؟ اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ اسحٰق علیہ السلام کا نام قربانی والے بچہ کے طور پر کس نے لکھا؟ اور انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ جلد ہی ہم اس کا جواب دیں گے۔

چوتھا ثبوت : اگر اسحٰق علیہ السلام ہی میثاق والے بچے تھے اور اسمٰعیل علیہ السلام میثاق سے خارج شدہ تھے تو اس کا مطلب ہے کہ اسحٰق علیہ السلام ہی کو اللہ تعالیٰ کا وہ منتخب بیٹا ہونا چاہئے تھا جو اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر بنانے میں مدد کرتا۔ وہ متبرک مسجد جہاں سالانہ حج ادا کیا جاتا ہے، اگر ابراہیم علیہ السلام نے یہ مسجد عرب میں بنائی اور اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کو اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی اس اہم کام میں مدد کے لئے منتخب کیا تو اس کا مطلب ہے کہ یقیناً اسمٰعیل علیہ السلام میثاق سے اخراج کی بجائے میثاق میں شامل تھے۔ تحریف شدہ تورات کے لکھنے والوں نے تورات میں سے مندرجہ ذیل تمام حوالے نکال دیئے :

- ابراہیم علیہ السلام کا عرب کی طرف سفر اور وہاں پر ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو چھوڑنا۔
- ابراہیم علیہ السلام کا اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی میں ایک بہشتی جانور عرب میں ذبح کرنا۔
- ابراہیم علیہ السلام کا اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے عرب میں اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر (کعبہ) تعمیر کرنا۔
- ابراہیم علیہ السلام کا حج کو سالانہ رسم کے طور پر اس مسجد میں جاری کرنا۔

قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکّہ کی طرف سفر کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام نے یہ متبرک اور انتہائی اہم کام بنی نوع انسان کے لئے دینِ الٰہیہ کی ترویج و اشاعت کے لئے کیا۔

﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۱۲۷)

"اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے، اور دُعا کر رہے تھے، اے ہمارے پروردگار قبول کر ہم سے ہماری اس خدمت کو بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے"

اس سے پیشتر جبرائیل علیہ السلام سیدہ ہاجرہ کے پاس آئے جب کہ وہ اس بیابان صحرا میں اکیلی اپنے بچے کے ساتھ چھوڑ دی گئی تھی اور پانی کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر ماری اور وہاں سے زم زم کا پانی نکلا۔ تب جبرائیل علیہ السلام نے ہاجرہ کو تسلی دیتے ہوئے خبر دی :

"یہاں چھوڑے جانے پر تم پریشان نہ ہو کیونکہ یہ اللہ کے گھر کی جگہ ہے' جسے یہ بچہ اور اس کے والد یہاں تعمیر کریں گے" (بخاری' کتاب الانبیاء)

اللہ تعالیٰ نے میثاق کا لفظ بالخصوص اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے استعمال کیا ہے :

﴿ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۤئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۱۲۵)

"اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع اور امن کی جگہ لوگوں کے واسطے اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ۔ اور ہم نے عہد کیا ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی طرف کہ پاک رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں' رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔"

قرآن مجید میں اُس وقت کا بھی ذکر ہے جب ابراہیم علیہ السلام نے سیدہ ہاجرہ کو اس کے بچے اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ مکہ کی چٹیل وادی میں چھوڑا' جہاں اب اللہ کا گھر موجود ہے (یعنی اس زمین پر جہاں کعبہ بنایا جانا تھا)

﴿ رَبَّنَاۤ اِنِّىْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىْۤ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (ابراھیم ۱۴ : ۳۷)

"اے ہمارے رب! بے شک میں نے بسایا ہے اپنی اولاد کو اس وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس جہاں کھیتی نہیں۔ اے رب ہمارے تاکہ وہ قائم رکھیں نماز پس تو مائل کردے لوگوں کے دل ان کی طرف اور روزی دے ان کو پھلوں سے تاکہ وہ تیرا شکر کریں"۔

سیرت (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات) کی کتابوں میں مذکور ہے کہ قدیم یہودی عرب کی اس مسجد پر حج کے موقع پر حاضر ہوتے تھے۔ لیکن انہوں نے یہ حاضری اس وقت

چھوڑدی جب عرب بت پرستوں نے بہت سے بت لاکر خانہ کعبہ میں رکھ دیئے۔[1]

نتیجہ واضح ہے کہ جب اسمٰعیل علیہ السلام (اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ) مکّہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر کررہے تھے تو اسمٰعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے میثاق میں یقیناً شامل تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ تورات میں مذکور اسمٰعیل علیہ السلام کا میثاق سے اخراج جھوٹ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا مکّہ کی طرف سفراوران کا وہاں اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے خانہ کعبہ کی تعمیر کے تمام حوالہ جات کا تورات سے نکال دینا اس لئے تھا کہ دوسری تبدیلیوں مثلاً اسمٰعیل علیہ السلام کا میثاق سے اخراج کی ساتھ موافقت ہوسکے۔

وحی الٰہیہ کے دلائل کے ساتھ ہم نے تاریخی شواہد کے دلائل بھی دے دیئے ہیں' جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے عرب میں مکّہ کی طرف سفرکیااور وہاں اللہ تعالیٰ کا گھر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لےکر آج کی تاریخ تک عرب مکّہ میں خانہ کعبہ کوابراہیم علیہ السلام کی تعمیر مانتے آئے ہیں۔ اوراس دور سے لےکر آج تک ہر سال کعبہ کا حج بھی تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب اُس وقت بھی حج کی اس رسم کوادا کرتے تھے جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم نہیں رہے تھے بلکہ بت پرست بن گئے تھے۔ ہزاروں سال سے مکّہ میں خانہ کعبہ کے سالانہ حج کی رسم جاری ہے۔ آج ۲۰لاکھ سے زیادہ لوگ وہاں سالانہ حج کرتے ہیں۔ لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ بعض ملکوں کو اپنے حاجیوں پر تعداد کے سلسلہ میں پابندی عائد کرنی پڑتی ہے۔ اگر یہ پابندی نہ ہوتو تعداد ۲۰لاکھ سے کہیں زیادہ ہوجائے۔

اس تاریخی ثبوت کی اس سے زیادہ مدلل اور ممکن توضیح اور کیا ہوگی؟ حاجی خود کہتے ہیں کہ یہ مسجد (خانہ کعبہ) ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی تھی۔ اورانہوں نے ہی حج کی رسم جاری کی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

﴿ وَاِذْ بَوَّاْنَا لاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَلَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ○ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ○ ﴾

(الحج ۲۲ : ۲۶-۲۷)

"یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لئے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی

(اور حکم دیا) کہ شریک نہ کرنا میرے ساتھ کسی کو' اور پاک رکھو میرا گھر طواف کرنے والوں' کھڑے رہنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کیلئے۔ اور لوگوں کو حج کے لئے اذنِ عام دے دو کہ آئیں تیری طرف پیدل اور دُبلے اونٹوں پر سوار ہو کر ہر دور دراز مقام سے"۔

اس کے علاوہ سیرت کی کتابیں اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ عرب میں شروع سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش تک غیر تعلیم یافتہ کفار کا ایک گروہ ایسا موجود تھا جو بت پرستی کا منکر تھا۔ انہیں "حنفاء" کہا جاتا ہے۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے دین کے مطابق عبادت کرنے کے خواہشمند تھے' مگر وہ اس دین سے کلیتاً نابلد تھے۔ وہ ایمان رکھتے تھے کہ کعبہ اللہ کا گھر ہے جسے ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور اس گھر کا ادب کرتے تھے اور وہ ابراہیم علیہ السلام کی اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ مینڈھے کی قربانی کی یاد میں سالانہ قربانی بھی ادا کرتے تھے۔

ان میں سے ایک آدمی زید بن عامر تھا' اس نے اپنے لوگوں کے مذہب کو چھوڑ دیا۔ بت پرستی اور ایسے جانور' خون یا چیزیں جو بتوں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے' ان سے احتراز کیا۔ اس نے چھوٹی بچیوں کے قتل (بت پرستی کی ایک رسم) سے منع کیا اور اعلان کیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی عبادت کرتا ہے۔ اور وہ علی الاعلان اپنے لوگوں کے طور طریقوں پر اعتراضات کرتا تھا۔ ہشام بن عروہ اپنے والد کے حوالہ سے اپنی والدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی زبانی جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں' کہتے ہیں کہ انہوں نے زید کو بڑھاپے کی حالت میں دیکھا جو اپنی پشت کعبہ کے ساتھ لگائے ہوئے تھا اور کہہ رہا تھا: اے قریش! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں زید کی جان ہے' تم میں سے کوئی بھی سوائے میرے ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی نہیں کر رہا" پھر اُس نے کہا: "اے خدا! اگر میں جانتا کہ تو اپنی عبادت کس طرح کروانا پسند کرتا ہے تو میں اسی طرح تیری عبادت کرتا۔ مگر میں نہیں جانتا۔ تب اس نے اپنے آپ کو ہتھیلیوں پر گرا کر خدا کو سجدہ کیا"۔ (۲)

مندرجہ بالا تاریخی تحریر سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب سے لی گئی ہے جو آج سے ۱۲۰۰ سال قبل لکھی گئی تھی۔ اس تحریر سے بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ہم عرب کے ان مشرکوں کی دین ابراہیم علیہ السلام سے وابستگی کی کیا توجیہ کریں؟ ان کی اس مذہبی خواہش کو کیا نام دیں؟ بتوں کی پرستش سے اس انکار کو کیا کہیں جو دین ابراہیم علیہ السلام کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہے؟ کعبہ اور حج سے ان کی وابستگی کی کیا وضاحت پیش کریں؟ کعبہ کے پاس

اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ ہاجرہ کی قبور کے احترام کی کیا توجیہ کریں؟ اس کی اس کے علاوہ اور توجیہ کیا ہو سکتی ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی طرف سفر کیا' وہاں کعبہ کی تعمیر کی' اس عمل میں اسمٰعیل علیہ السلام نے ان کی مدد کی اور یہ بھی کہ وہاں انہوں نے دین ابراہیم علیہ السلام کو قائم کیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ تصدیق کی کہ دین ابراہیم علیہ السلام عرب میں موجود تھا بلکہ اس شخص کا نام بھی ظاہر کیا جس نے پہلی دفعہ اس دین کو مسخ کیا۔

> ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا: "اے اختم! میں نے عمر بن لحی بن قمہ بن خندف کو دیکھا جو اپنی انتڑیاں جہنم میں گھسیٹ رہا تھا۔ اور میں نے کبھی دو شخص ایک دوسرے سے اتنے ملتے جلتے نہیں دیکھے جیسے تم اور وہ! اختم نے عرض کیا "یہ مشابہت میرے لئے نقصان دہ ثابت ہو گی؟" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں! کیونکہ تم مومن ہو اور وہ ایک کافر ہے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے اسمٰعیل علیہ السلام کے دین کو بت پرستی رائج کرنے کے لئے تبدیل کیا۔ اور بحیرہ سائبہ' وصیلہ اور حامی وغیرہ کا نظام رائج کیا"۔ (۳)

ابن اسحٰق نے ان حالات کی تشریح کی ہے جو دین دار عربوں کا رخ بت پرستی کی طرف موڑنے کا سبب بنے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں بت پرستی اس وقت شروع ہوئی جب مکہ ان کے لئے چھوٹا پڑ گیا اور انہیں رہائش کے لئے زیادہ جگہ درکار ہوئی۔ تو ہر ایک جو اس شہر سے کسی دوسری جگہ گیا اپنے ساتھ کعبہ کا ایک متبرک پتھر لے گیا۔ جہاں کہیں کوئی گیا اس پتھر کو عبادت گاہ بنا کر اس کا طواف شروع کر دیا جس طرح وہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ اس طرح ان میں پتھروں سے عقیدت شروع ہو گئی۔ آہستہ آہستہ زمانہ گزرنے کے ساتھ وہ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے اصل دین کو بھولتے گئے اور پتھروں کی پوجا کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے بھی بت پرستی اسی طرح اختیار کر لی جس طرح دوسروں میں ان سے پہلے تھی۔ تاہم انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی رسوم کو بھی کسی نہ کسی صورت قائم رکھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کا احترام' حج اور عمرہ وغیرہ۔ اور ساتھ ہی اور اعمال کو بھی شامل کر لیا جو دینِ ابراہیم علیہ السلام میں نہیں تھے۔ (۴)

پانچواں ثبوت : قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کے پاک گھر کی سنگلاخ مکہ میں تعمیر کی۔ آدم علیہ السلام نے اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے

لئے پہلا گھر تعمیر کیا تھا۔ قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا بھی بیان ہے جب وہ عمارت (کعبہ) کی تعمیر کر رہے تھے۔ جس میں انہوں نے دُعا کی کہ ان کے خاندان کے اس حصہ (ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام) میں سے بھی ایک پیغمبر پیدا ہو جو انہوں نے مکہ میں آباد کر رکھا تھا۔

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

(البقرۃ ۲ : ۱۲۹)

"اے رب ہمارے! بھیج ان میں ایک رسول ان میں سے ہی' جو پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلادے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور پاک کرے ان کو' بے شک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا"۔

ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ایک پیغمبر کے لئے دُعا کی۔ صرف ایک کیلئے۔ اگر اسحٰق علیہ السلام ہی فقط عہد والے بچے ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہو تا کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول نہیں فرمائی۔ کیونکہ پیغمبری اور وحی الٰہیہ کا نزول میثاق خدا سے وابستہ ہیں اور اس صورت میں یہ صرف اسرائیلیوں کو ہی خصوصی طور پر عطا کئے جاتے۔ تاہم یہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہوا۔ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ یہ ابراہیم کی دُعا کا جواب تھا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے کوئی دوسرا پیغمبر نہیں ہوا۔ صرف ایک آپ ہی ہوئے۔

﴿ يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ ۳۶ : ۱-۶)

"یٰسین! قسم ہے اس حکمت والے قرآن کی۔ آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں' سیدھی راہ پر۔ (یہ قرآن) نازل کیا ہے زبردست رحم والے نے' تاکہ آپ خبردار کریں ایک قوم کو (بنی اسمٰعیل اور عرب لوگ) کہ نہیں خبردار کیا گیا ان کے باپ دادا کو (یعنی ان کی طرف اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آیا) سو ان کو خبر نہیں ہے"۔

طبقات ابنِ سعد میں عبدالوہاب بن عطا العجلی سے الضحاک کے حوالہ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ سنو! پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "میں اپنے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کی دُعا (کا

جواب) ہوں جو انہوں نے تب مانگی جب وہ کعبہ کی عمارت تعمیر کر رہے تھے کہ اے میرے رب ان میں ایک پیغمبر مبعوث فرما"۔ آپ ﷺ نے قرآن مجید کی آیت (البقرہ ۲ : ۱۲۹) تلاوت فرمائی۔ (ابن سعد : کتاب الطبقات الکبیر)

یہ حقیقت کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دُعا قبول کی اور اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے مُحمّد ﷺ کو پیغمبر مبعوث فرمایا' بلاشک و شبہ ثابت کرتی ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام عہد سے خارج نہیں تھے۔ یہ تحریف شدہ تورات ہے' جو بیان کرتی ہے کہ وہ عہد سے خارج تھے۔ اور یہ جھوٹ ہے۔

چھٹا ثبوت : یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دُنیا میں صرف دو قومیں ایسی ہیں جو ختنہ کو بطور مذہبی فریضہ مانتے ہیں۔ بنی اسرائیل (جن کے باقیات آج یہودی ہیں) اور بنی اسمٰعیل علیہ السلام (عرب لوگ) اور دونوں ہی ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ مُحمّد رسول اللہ ﷺ نے بالخصوص ختنہ کو ابراہیم علیہ السلام کی سنت قرار دیا ہے۔ انہوں نے عربوں کے صرف اس عمل کی تصدیق کی ہے' اگرچہ وہ بُت پرست تھے اور انہیں اس معاملہ میں کوئی نیا کام کرنے کے لئے نہیں کہنا پڑا۔ بت پرست عرب حضور اکرم ﷺ کی پیدائش سے ہزاروں سال قبل سے ختنہ کی رسم پر عمل کرتے چلے آرہے تھے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بت پرست عرب ختنہ کا فریضہ حضور اکرم ﷺ کی تصدیق سے پہلے سے کیوں کرتے چلے آرہے تھے؟ حالانکہ یہودیوں کے علاوہ اور کوئی یہ کام نہیں کرتا تھا۔ اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ بُت پرست عرب اس پر اس لئے عمل پیرا تھے کہ وہ اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ چونکہ ختنہ عہد کا ایک نشان ہونے کی وجہ سے اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل پر فرض کردیا گیا تھا۔ لہٰذا عرب میں موجود یہ تاریخی حقیقت بھی تصدیق کرتی ہے کہ ان کا ابراہیم علیہ السلام کے دین ہی سے تعلق تھا۔ درحقیقت عربوں میں ختنہ کی یہ رسم دین ابراہیمی سے ایک ایسا آفاقی مستحکم تعلق رکھتی تھی کہ قرآن مجید نے اس موضوع پر ایک آیت کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی اور یہ بات بہت زیادہ اہم ہے۔ اور بت پرست عربوں میں ختنہ کی رسم کی تشریح کے لئے خیالات کے اظہار کا اللہ تعالیٰ کا ایک طریقہ ہے۔ پھر بھی بہت کم یہودیوں اور عیسائیوں میں اس موضوع پر سوچنے کی تحریک پیدا ہوئی۔

تورات میں واضح الفاظ میں تحریر ہے کہ ختنہ اللہ تعالیٰ اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان

ان کی نسل کے لئے اور ان تمام لوگوں کے لئے جو ان کی پیروی کریں' میثاق کی ایک علامت ہو گا۔

"اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ ہر ایک نرینہ فرزند کا ختنہ کیا جائے۔ اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا۔ اور یہ اس میثاق کا نشان ہو گا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ تمہارے ہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ ہو گا جب وہ آٹھ روز کا ہو' چاہے کوئی خریدا ہوا غلام جو تیری نسل سے نہ ہو' چاہے تیرا خانہ زاد ہو یا زر خرید ہو اس کا ختنہ کیا جائے اور میرا تمہارے جسم میں ابدی میثاق ہو گا۔ اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔" (پیدائش ۱۷ : ۱۰۔ ۱۴)

تورات میں مزید مذکور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ اسی دن کیا جس دن اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا۔ نہ صرف انہوں نے اپنا ختنہ کیا بلکہ ہمارے موضوع کے حوالے سے جو زیادہ اہم بات ہے وہ یہ کہ انہوں نے خود اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کا بھی اسی دن ختنہ کیا۔ لہٰذا اسمٰعیل علیہ السلام نے بھی اس میثاق میں شمولیت کا نشان حاصل کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس دن اسحٰق علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جس دن اسمٰعیل علیہ السلام کا ختنہ کیا گیا۔ اب یہ حقیقت کہ اسمٰعیل علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا' اس بات کا اہم ثبوت ہے کہ وہ عہد سے خارج نہیں تھے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل اس وقت سے مسلسل ختنہ کو ایک مذہبی فریضہ کے طور پر سرانجام دیتے آرہے ہیں۔ یہ ایک اہم ثبوت ہے کہ وہ عہد سے خارج نہیں تھے۔ لہٰذا تحریف شدہ تورات کا یہ دعویٰ کہ وہ اس عہد میں شامل نہیں تھے جھوٹ ہے۔

ساتواں ثبوت : جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ ان کا درجہ انسانیت کے امام (مذہبی پیشوا) کے طور پر بلند کر دیا گیا ہے تو انہوں نے فوراً سوال کیا کہ میری نسل کا بھی؟ اللہ تعالیٰ کا جواب درج ذیل ہے :

﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۱۲۴)

"میرا میثاق ظالموں (چال بازوں) کے لئے نہیں ہو گا"۔

جس کسی نے تورات کو دوبارہ لکھا اور اسمٰعیل علیہ السلام کو میثاق سے خارج کرنے کی

تبدیلی کی اس نے محسوس کیا کہ اسمٰعیل علیہ السلام کے میثاق میں سے اخراج کو منطقی بنانے کے لئے انہیں رسوا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ تورات میں اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں یہ نامناسب الفاظ ملتے ہیں :

"....وہ گورخر کی طرح آزاد مَرد ہو گا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے...." (پیدائش ۱۶ : ۱۲)

اس قسم کی عربوں کی تذلیل تو ہمیں یہودی اخبار نیویارک ٹائمز میں ملنے کی توقع ہے مگر تورات میں؟ کیا قرآن مجید تورات میں بیان کردہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اس تذلیل کی تصدیق کرتا ہے؟ نہیں ایسا نہیں بلکہ اس کے برعکس قرآن مجید اسمٰعیل علیہ السلام کے ایمان' ان کے کردار اور ان کی روحانی شخصیت کی تعریف کرتا ہے۔

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ○ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ○ ﴾

(مریم ۱۹ : ۵۴)

"اور ذکر کیجئے کتاب میں اسمٰعیل کا۔ وہ تھا وعدہ کا سچا اور تھا رسول نبی۔ اور حکم کرتا تھا اپنے گھر والوں کو نماز کا اور زکوٰۃ کا۔ اور تھا وہ اپنے رب کے ہاں پسندیدہ"۔

قرآن مجید اسمٰعیل علیہ السلام کے صبر' ثابت قدمی اور قوتِ برداشت کی تعریف کرتا ہے۔ یہ خصائل بالکل ہی برعکس ہیں اس کے "....گورخر کی طرح کا مَرد...."

اسمٰعیل علیہ السلام کے خصائل ایوب علیہ السلام کے صبر و استقامت کی کہانی کے فوراً بعد ہی بیان کئے گئے ہیں :

﴿ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ ﴾ (الانبیاء ۲۱ : ۸۵' ۸۶)

"اور (یہی نعمت ہم نے دی) اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو۔ یہ سب ہیں صبر والے۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں لے لیا۔ یقیناً وہ سب نیک بختوں میں سے تھے۔"

قرآن مجید میں ذکر ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں شامل ہیں۔ جن کا درجہ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان میں بلند کیا۔

﴿ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾

"اور اسمٰعیل' اور الیسع اور یونس اور لوط' سب کو ہم نے بزرگی دی سارے جہاں پر۔"

چنانچہ قرآن مجید واضح طور پر تحریف شدہ تورات میں مذکور اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں جھوٹ کی نشاندہی کرتا ہے اور اس طرح قرآن مجید اسمٰعیل علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام کے معزز بیٹے ہونے کے درجہ پر فائز کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے میثاق میں پوری طرح شامل رہنے کا حقدار قرار دیتا ہے۔

حواشی :

(۱) ابن اسحٰقؒ کی کتاب "سیرت رسول اللہ ﷺ" کا انگریزی ترجمہ (By A. Guillaume) بعنوان "The Life of Muhammad" آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ کراچی۔ ۱۹۶۷ صفحہ ۹

(۲) ایضاً صفحہ ۹۹۔۱۰۰

(۳) ایضاً صفحہ ۳۵

(۴) ایضاً صفحہ ۳۶

کون مسلمان ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ نہ ہو!
لیکن آپ اور آپ کے لائے ہوئے دین سے سچی محبت کے تقاضے کیا ہیں،
ہم میں اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں!

اس موضوع پر ڈاکٹر اسرار احمد کی نہایت جامع تالیف

حُبِّ رسُولؐ اور اُس کے تقاضے

خود بھی مطالعہ کیجیے اور دوسروں تک بھی پہنچایئے!
صفحات ۳۲ • قیمت ۔/۶ روپے
شائع کردہ
مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن، ۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

خطوط و نکات

○ "حضرت بنوریؒ آپ کے درس میں بنفس نفیس موجود تھے اور وہ کافی متاثر تھے"
○ "دورۂ ترجمہ قرآن کی تفصیلات پڑھ کر بہت خوشی ہوئی"

صوبہ سرحد کے نامور عالمِ دین اور بانی مدرسہ نجم المدارس کلاچی
مولانا قاضی عبدالکریم کے صاحبزادے قاضی عبدالحلیم حقانی کا مکتوب

محترم القدر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بالقابہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مزاج گرامی!

حافظہ پر زور دیتا ہوں تو چند سال قبل آپ سے تھوڑی بہت مراسلت رہی' بلکہ میرے والد ماجد مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ بانی نجم المدارس کلاچی وبانی تحریک عمل برائے نفاذ شریعت اسلامیہ پاکستان (فاضل دیوبند) یکے از خصوصی رفقاء کار مولانا احمد علی لاہور نور اللہ مرقدہ سے آپ کی ملاقات کی تجویز کا ایک مرحلہ بھی درمیان میں آ گیا تھا' مگر کسی وجہ سے بات رہ گئی تھی۔ مجھے خود اشتیاق تھا کہ لاہور آ کر کسی وقت آپ سے ملوں۔ آپ سے ملاقات پہلی بار کافی عرصہ قبل شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی حیات میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں اس وقت ہوئی تھی جبکہ میں وہاں درجہ تخصص فی الفقہ کے طلبہ میں شامل تھا۔ وہاں پہلی بار آپ کا درس بھی سنا۔ اُس درس میں حضرت بنوریؒ بنفس نفیس موجود تھے اور وہ کافی متاثر تھے۔ یہ سارا منظر یاد ہے۔ مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی جن کی آپ سے کافی خط و کتابت رہی اور بعض لحاظ سے دلچسپ بھی تھی' وہ بھی اُس زمانہ میں نیو ٹاؤن (بنوری ٹاؤن) میں تخصص میں تھے اور مجھ سے ایک سال مقدم تھے۔

میں کچھ عرصہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کے پاس بھی تدریس کتب' نیابت رفقاء اور حضرتؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری کی

حیثیت سے رہا۔ اس دوران آپ کے متعلق بہت کچھ سنتا رہا۔ ایک سال اسلام آباد جامعہ العلوم الاسلامیہ زیدیہ مولانا عبداللہ صاحب شہیدؒ کے مدرسہ میں بھی شغل رہا اور المرکز اسلام آباد میں خطابت بھی رہی۔ اس دوران اسلام آباد میں آپ کا کافی چرچا رہا اور آمدو رفت رہی' مگر افسوس کہ مجھے آپ کے قرب کی نوبت نہ آسکی۔ واللہ اعلم اس میں کیا حکمت ہے۔

بات لمبی ہو گئی اور ممکن ہے اس میں کچھ زائد بھی ہو' ان سطور کا داعیہ دراصل' واللہ علیم' یہ ہے کہ جون ۹۹ء کا حکمت قرآن پیش نظر ہے۔ دورۂ ترجمہ قرآن کی تفصیلات سے بے حد خوشی ہوئی اور اسی کی مبارک باد دل کی اتھاہ گہرائیوں سے پیش کرنا مقصود ہے۔ اور ساتھ یہ بھی مقصود ہے کہ ۱۹۸۵ء (کے دورۂ ترجمہ) کی ۸۳ آڈیو کیسٹس کا ہدیہ کتنا بنتا ہے؟ اور کسی طالب علم کو رعایتی بلکہ مصرفی حد تک آخری طور پر کتنے ہدیہ پر مل سکتا ہے؟ اس کے لئے جوابی لفافہ بھی پیش خدمت ہے۔

ابھی سے یہ ارادہ بھی ہو رہا ہے کہ قدرت نے حالات درست کرائے تو کیا عجب آنے والے رمضان شریف میں اگر زندگی رہی تو اس منظر میں شریک ہونے کی سعی کروں گا۔ نیت کا ثواب تو ابھی سے ان شاء اللہ لکھا جائے گا۔

میں نے برادر عزیز حافظ قاضی محمد نسیم صاحب ناظم تحریک عمل برائے نفاذ شریعت سے کہہ دیا ہے کہ وہ تحریک عمل کا لٹریچر آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔ کیا عجب آپ کی تحریک اور تحریک عمل میں قدرت تعاون' تعاضد اور تناصر کی صورت پیدا کر دے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز کیونکہ بنیادی کاز ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ جملہ اہل دفتر کو سلام ودعا۔

دفتری حضرات سے گزارش ہے کہ وہ عریضہ ڈاکٹر صاحب کے نظر نواز کرائیں۔

فقط والسلام
بندہ عبدالحلیم عفی عنہ
ازکلاچی

(۲)

"لوگوں کو قانونی اور حقیقی ایمان میں فرق سمجھانا بہت ضروری ہے"

پروفیسر عزت نور صافی کا انجمن خدام القرآن پشاور کے صدر ڈاکٹر محمد اقبال صافی کے نام خط

صافی آباد۔ ۱۴/ مئی ۱۹۹۹ء

برخوردارم ڈاکٹر محمد اقبال صافی صاحب اطال اللہ عمرک
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اپریل ۱۹۹۹ء کے ماہنامہ "حکمت قرآن" میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا بصیرت افروز مضمون "قرآن حکیم سے ہمارے حجاب کے اسباب" پڑھا۔ افسوس ہے کہ ہم میں سے ۹۹.۹ فیصد لوگ مروّجہ قانونی یا موروثی ایمان کو حقیقی ایمان سمجھ بیٹھے ہیں اور ان کو یہ سمجھانا کہ یہ حقیقی ایمان نہیں ہے ناممکن ہے۔ کیا آپ ڈاکٹر صاحب سے یہ گزارش کریں گے کہ وہ واضح طور پر ایک کتاب کے ذریعے لوگوں کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کر دیں کہ قانونی ایمان اور حقیقی ایمان میں کیا فرق ہے؟ صرف یہی نہیں کہ وہ قانونی ایمان اور حقیقی ایمان دونوں کی تعریفیں کریں کہ اس کو قانونی ایمان کہتے ہیں اور اس کو حقیقی ایمان کہتے ہیں' بلکہ صریحاً مثالوں کے ذریعے بتلادیں کہ تقلیدی طور پر یہ یہ کام کرنے والا شخص قانونی ایمان والا ہے اور ایمان کی حقیقت اور روح کو سمجھ کر یہ یہ کام کرنے والا شخص حقیقی ایمان والا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روح کو سمجھنے کی توفیق کے ساتھ زورِ لسان اور زورِ قلم سے بھی نوازا ہے۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب کے ذمے قانونی ایمان اور حقیقی ایمان کو contrast and compare کرنا ہماری طرف سے قرض رہے گا۔

(نوٹ) مذکورہ مضمون نہایت شاندار و جاندار ہے۔ بہت پسند آیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ!

دعاگو!
پروفیسر عزت نور صافی (ریٹائرڈ پرنسپل)
صافی آباد

امیر تنظیم اسلامی کا پیغام ' میٹرک پاس طلبہ کے نام

میٹرک کے امتحان میں کامیاب ہونے والے ذہین اور باہمت طلبہ اپنے مستقبل کے کیریئر پر غور کرتے ہوئے اِن حقائق کو پیشِ نظر رکھیں :

① ملکی اور عالمی سطح پر عالمِ انسانیت کے معاملات کی اصل باگ ڈور علومِ عمرانی (SOCIAL SCIENCES) یا علومِ انسانی (HUMANITIES) کے ماہرین 'یعنی علماء فلسفہ و نفسیات ' ماہرینِ معاشیات و سیاسیات و عمرانیات اور ماہرینِ قانون کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔

② جبکہ علومِ طبیعی (PHYSICAL SCIENCES) اور مختلف پیشہ ورانہ علوم و فنون کے ماہرین ان کے تابع خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

③ اور آج عالمِ انسانیت جس ہولناک تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ انسانی اور عمرانی علوم کا رشتہ علمِ وحی اور ہدایت خداوندی سے بالکل کٹ گیا ہے۔

④ للذا وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ایسے اصحابِ علم و دانش بڑی تعداد میں پیدا کئے جائیں جو ایک جانب علمِ وحی اور ہدایت خداوندی سے بہرہ ور ہوں اور دوسری جانب علومِ عمرانی میں بھی مہارت کے حامل ہوں۔

چنانچہ ——— مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ——— کے زیر اہتمام

محنتی اور قابل اساتذہ کی خدمات اور عمدہ دینی ماحول کے ساتھ ساتھ
بہترین محل وقوع ' عالیشان عمارت اور عمدہ فرنیچر کے حامل

قرآن کالج

(191-اتا ترک بلاک ' نیو گارڈن ٹاؤن ' لاہور فون : 5833637)

کا اصل مقصد یہی ہے کہ ———

یہاں سے بی اے پاس کرنے والے طلبہ عربی زبان پر بھی دسترس رکھتے ہوں اور قرآن کے علم و حکمت سے بھی واقف ہوں' اور اس کے ساتھ ساتھ فلسفہ' معاشیات اور سیاسیات میں سے بھی کسی ایک علم میں مہارت حاصل کرلیں۔ اور پھر :

- اوّلین ترجیح تو یہ ہو کہ وہ علومِ عمرانی میں سے کسی ایک علم میں ایم اے کر کے ایجوکیشنل کیریئر اختیار کریں اور پھر پی ایچ ڈی یا ڈی لٹ وغیرہ کر کے خاص اس شعبے میں قرآن حکیم کی ہدایت و رہنمائی کو اعلیٰ علمی سطح پر پیش کر سکیں —— اور
- ثانوی درجہ میں —— سی ایس ایس وغیرہ کے اِمتحانات پاس کر کے حکومت کے انتظامی شعبوں میں خدمات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ اپنی سرکاری حیثیت کے مطابق لوگوں کی دینی رہنمائی اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی سرانجام دیں —— یا ایل ایل بی کر کے وکالت کا شغل اختیار کریں۔ اس ضمن میں ظاہر ہے کہ جلد یا بدیر اس ملک میں اسلامی قانون نافذ ہو کر رہے گا اور اس وقت ایسے ماہرین قانون کی شدید ضرورت ہو گی جو دینی علوم میں بھی دسترس رکھتے ہوں۔

گویا قرآن کالج میں داخلے کا حاصل کسی مسجد کی امامت یا خطابت کا معاملہ نہیں بلکہ مُلک و ملت کی بہترین خدمات انجام دینے کے قابل بننا ہے !!

مزید برآں قرآن کالج میں طلبہ کی عموی دلچسپی و سہولت کے پیشِ نظر آئی کام اور آئی سی ایس کی کلاسز اور ریاضیات اور شماریات کی تدریس کا انتظام بھی کیا گیا ہے!

مزید معلومات کے لئے کالج کا پراسپکٹس حاصل کریں!

داعی الی الخیر :

ڈاکٹر اسرار احمد' صدر مؤسس' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور (فون : 03-5869501)

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کی تقریبِ تقسیمِ اسناد

کے موقع پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب اور شرکاء کورس کے تاثرات

۲۸ مئی بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب قرآن کالج آڈیٹوریم میں ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کا جلسۂ تقسیم اسناد منعقد ہوا۔ مہمان خصوصی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تھے۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب حافظ عاکف سعید نے سرانجام دیئے۔ کارروائی کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کی سعادت حافظ عبداللہ محمود نے حاصل کی۔ سب سے پہلے محترم ڈاکٹر صاحب نے صدارتی کلمات ارشاد فرمائے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

ہمارے اندر ایک اصل شے ہے جس کا نام روحِ ربانی ہے۔ جب آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی تو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ روح دراصل ایک نور ہے جو اپنا ظہور چاہتی ہے' لیکن اسے مادی غلافوں میں بند کر دیا گیا۔ روح میں ایمان dormant شکل میں موجود ہے جسے قرآن بیدار کرتا ہے۔ اس کے لئے اتنی عربی آنی چاہئے کہ قرآن پڑھتے وقت اس کو براہ راست سمجھا جائے۔ روح بھی نور ہے اور قرآن بھی نور ہے۔ ان دونوں نوروں کے جمع ہونے سے حقیقی یا شعوری ایمان پیدا ہوتا ہے جو نورٌ علیٰ نور ہے۔ جب زرخیز زمین پر بارش ہوتی ہے تو اس میں سبزہ اُگتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جب انسان قرآن پڑھتا ہے تو اس کے اندر سے آواز آتی ہے کہ یہ حق ہے۔ اور اس کے سارے شکوک و شبہات دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

۲۵ سال پہلے میں تن تنہا قرآن کے دروس دیتا تھا جب یہ قرآن کالج اور اکیڈمی بھی نہیں تھے۔ چنانچہ آج اگر تنظیم اسلامی کو درخت سے تشبیہہ دی جائے تو اس کی جڑ قرآن ہے۔ اسی لئے ہم نے ایک سالہ کورس مرتب کیا ہے تاکہ اتنی عربی سکھائی جائے کہ رفقاء واحباب قرآن خود سمجھ سکیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے میری تیسری نسل تک یہ بات پہنچ چکی ہے۔ میری نواسی نے میٹرک کے بعد یہ کورس کیا اور مردوں' عورتوں میں مجموعی طور پر پہلی پوزیشن حاصل کی۔

میری خواہش ہے کہ اس سال لاہور سے زیادہ سے زیادہ لوگ اس کورس میں شرکت کریں۔ کیونکہ اس مرتبہ لاہور کی تنظیم سے ہمیں صرف دو آدمی ملے تھے جبکہ لوگ امریکہ تک سے آکر یہ کورس کر رہے ہیں۔

کورس کا تعارف

جناب حافظ عاکف سعید نے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ایک سالہ کورس کی مدت کم کرکے ۹ ماہ کردی گئی ہے۔ شدید گرمی کے تین ماہ جون' جولائی اور اگست نکال دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے اس کا ترجمہ براہ راست سمجھ آجائے۔ پہلے سمسٹر میں عربی گرامر کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب' عریبک ریڈر کی دو کتابیں' اور تجوید و قراءت پر توجہ دی جاتی ہے جبکہ دوسرے سمسٹر میں ترجمہ و ترکیب قرآن' اصول فقہ کا تعارف' اصول حدیث اور مطالعہ حدیث میں مشکوٰۃ کے دو ابواب کتاب العلم اور کتاب الرقاق شامل ہیں۔

اس سال دوسرے سمسٹر میں فکر اسلامی اور فکر جدید کا مضمون بھی شامل کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اب تک انسان نے فلسفے میں جو ٹامک ٹوئیاں ماری ہیں اس کی تاریخ' یونانی فلاسفروں کا تعارف' ان کا فکر' اس کے علاوہ مسلم فلاسفہ یعنی فارابی' ابن رشد' بوعلی سینا اور فکر جدید کے فلاسفر علامہ اقبال کے نظریات کا تعارف کرایا جائے۔ اس مرتبہ کورس کے آغاز میں مرد شرکاء ۱۸ تھے تاہم ۱۴ نے یہ کورس مکمل کیا۔ امریکہ سے تشریف لانے والے ایک رفیق جناب عمران این حسین اس کورس کا پہلا سمسٹر مکمل کر کے واپس جاچکے ہیں جبکہ دوسرے سمسٹر میں ان کی جگہ فرقان دانش نے شمولیت کی ہے۔ فرقان دانش نے پہلا سمسٹر پچھلے سال مکمل کیا تھا۔ خواتین میں ۱۱ مستورات نے آغاز کیا اور ۷ نے تکمیل کی۔ اس کے بعد شرکائے کورس کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔

شرکاءِ کورس کے تاثرات

احمد فاروق نے کہا کہ لوگ کینیڈا سے آکر کورس کرسکتے ہیں تو میں نے سوچا کہ ہم لاہور میں ہوتے ہوئے اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو یہ ہماری بدقسمتی ہوگی۔

عبداللہ محمود نے کہا کہ جس دن میرے بی ایس سی انجینئرنگ کا Final Viva تھا تو میرے کزن رشید ارشد صاحب نے مجھے ترغیب دلائی کہ مجھے یہ کورس کرنا چاہئے۔ جہاں تک کورس کا تعلق ہے تو میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق ہماری آخرت کی زندگی سے ہے کہ ہم اس کورس کی مدد سے دین کی خدمت کرسکیں۔

امریکہ سے تشریف لانے والے نوجوان اسد رحمٰن نے انگریزی زبان میں اظہار خیال کیا اور کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کورس کرنے کی توفیق دی۔

جناب نثار احمد نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ پچھلا سال میرے لئے بہت یادگار تھا کیونکہ اس سال جب مجھے احساس ہوا کہ میری عمر ۰ ۷ سال ہو گئی ہے اور میں نے قرآن کے ساتھ اس کی زبان میں کوئی رشتہ قائم نہیں کیا تو میں نے ایک سالہ کورس میں داخلہ لے لیا۔

آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے نوجوان طاہر سلیم مغل نے کہا کہ قرآن مجید کو قرآن ہی کی زبان مین سمجھنے کی شدید خواہش مجھے یہاں کھینچ لائی۔ اس سے پہلے میں اپنی شعوری کوشش کے باوجود قرآن کو سمجھنے کے لئے اپنا معمول نہ بنا سکا۔ میں سوچتا تھا کہ قرآن مجھے خود اپنی طرف کیوں نہیں کھینچ لیتا۔ میں اسی ادھیڑبن میں تھا تو مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ میرے مطالعہ میں قرآن نہیں اس کا ترجمہ ہے۔ آج جب میں یہ کورس مکمل کر چکا ہوں تو میں یہ بات برملا کہہ سکتا ہوں کہ قرآن فہمی کی طرف یہ میرا پہلا قدم ہے۔

ہاشم رضا خان نے اس کورس میں شمولیت کی وجوہات بتاتے ہوئے کہا کہ امریکہ میں میرے والد صاحب محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے کیسٹ سنتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کی زندگی میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی ہے۔ چنانچہ میں نے بھی ان سے کیسٹ لے کر سننا شروع کئے۔ یوں میرے دل میں بھی قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اور میں نے بہت ہی مصروفیات اور رکاوٹوں کے باوجود اس کورس میں شرکت کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے دوسرے تعلیمی اداروں کی حالت مجھے یہاں آنے سے روک رہی تھی لیکن جب میں یہاں آیا تو ایسا لگا جیسے امریکہ کے کسی سٹینڈرڈ ادارے میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ نوشہرہ کے قاضی فضل حکیم نے کہا کہ ایک سالہ کورس کا تعارف پچھلے سال کراچی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے دوران کراچی میں ہوا اور میں یہاں آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ تنظیم اسلامی کے رفقاء' اہل لاہور' دیگر احباب اور رفارغ التحصیل طلبہ کے لئے کیا ابھی یہ وقت نہیں آیا کہ وہ دین کے لئے اپنا وقت فارغ کریں؟

آذر بختیار خلجی نے ایک سالہ کورس میں اپنا داخلے کا مقصد بتاتے ہوئے کہا کہ میری خواہش تھی کہ میں قرآن کو از خود سمجھ سکوں۔ آج' جب میں کورس مکمل کر چکا ہوں تو

الحمدللہ میں اس سطح پر ہوں کہ قرآن کے کسی بھی حصے کو لغت کی مدد سے سمجھ سکتا ہوں اور اللہ کے فضل سے امید ہے جلد ہی براہ راست بھی سمجھنے لگوں گا۔

مہمان مرزا جنہوں نے پچھلے سال یہ کورس کیا' نے بتایا کہ امریکہ میں جب فرائض دینی کا جامع تصور میرے سامنے آیا تو میں نے فوراً تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کرلی۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ میں جس طرح اسلام کی معرکہ آراء دعوت پھیل رہی ہے اور لوگ وہاں دعوت کو قبول کر رہے ہیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ اہل پاکستان کی ناقدری کے باعث دین کا کام امریکہ کے لوگوں کے حوالے کردے۔

اس کے بعد ایک سالہ کورس کے طلبہ میں اسناد تقسیم کی گئیں۔ جن کے نام یہ ہیں :

① آذر بختیار خلجی ② قاضی فضل حکیم ③ امان اللہ ④ ہاشم رضا خان ⑤ طاہر سلیم مغل ⑥ میر مجیب الحسن ⑦ حافظ محمد جاوید نواز ⑧ فرقان دانش خان ⑨ چوہدری منظور حسین ⑩ محمد عباس ⑪ انجینئر حافظ عبداللہ محمود ⑫ انجینئر احمد فاروق ⑬ اسد رحمٰن ⑭ نثار احمد چوہدری

دعا پر اس تقریب کا اختتام ہوا۔

(مرتّب : ذیشان دانش خان)

☆ ☆ ☆

قرآن کالج میں یک ماہی اسلامک جنرل نالج ورکشاپ کا انعقاد

تقریب تقسیم اسناد کی روداد

میٹرک کے امتحان سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے قرآن کالج کے زیراہتمام ایک اسلامک جنرل نالج ورکشاپ منعقد کی گئی' جس کا دورانیہ ایک ماہ تھا۔ اس ورکشاپ کے انعقاد کا مقصد نوجوان نسل کو بنیادی دینی تصورات سے آگاہ کرنا تھا تاکہ وہ اپنی آئندہ عملی زندگی اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق گزارنے کے قابل ہو سکیں۔

مورخہ ۱۲ جون ۹۹ء کو ورکشاپ کے اختتام پر ایک پُروقار تقریب میں اس کے شرکاء میں اسناد تقسیم کی گئیں۔ صدر مؤسس انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے تقریب کی صدارت کی۔ ناظم کالج حافظ عاکف سعید اور ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی ڈاکٹر عبدالخالق بھی ساتھ تھے۔ کورس میں شریک طالب علم قاری افضل حسین ہاشمی نے تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز کیا۔ قرآن کالج کے استاد اور ہوسٹل وارڈن پروفیسر مسعود اقبال نے کورس کا تعارف کراتے ہوئے

شرکاء کو بتایا کہ اسلامک جنرل نالج ورکشاپ کے زیر عنوان گزشتہ ایک ماہ میں مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب' مطالعہ حدیث' تجوید و قراءت' عربی گرامر' تعارف ارکان اسلام و مسائل نماز اور کمپیوٹر ایپلیکیشنز پر مشتمل چھ مضامین پڑھائے گئے۔ کالج کے اساتذہ محمد رشید ارشد' محمد نوید عباسی' علاؤالدین اور مسعود اقبال نے ان مضامین کو پڑھانے کی ذمہ داری نبھائی۔

انہوں نے بتایا کہ کورس میں ۱۹ طلبہ شریک ہوئے' جن میں ۱۰ لاہور' ۲ جہلم اور ۲ وہاڑی سے تھے' جبکہ اسلام آباد' کراچی' ملتان' پھالیہ اور گجرات سے تعلق رکھنے والے ایک ایک طالب علم نے کورس میں شرکت کی۔ ایک بزرگ طالب علم جناب منظور کھوکھر نے بھی اس کورس سے استفادہ کیا' جن کی عمر ۸۵ برس ہے۔ اس کے بعد طلبہ نے اپنا تعارف کرایا۔ جناب منظور کھوکھر نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وہ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے' ۱۹۳۰ء میں میٹرک کیا' ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۷ء تک انجینئرنگ ڈپلومہ کیا۔ اس کے بعد ۱۹۵۰ء تک ریلوے میں ملازمت کی' مگر محکمانہ بدعنوانیوں اور کرپشن کی وجہ سے ملازمت چھوڑ دی۔ انہوں نے بتایا کہ جہاں بھی کوئی دینی کورس ہوتا ہے میری ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ اس میں شرکت کروں۔ انہوں نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ دینی تعلیم ضرور حاصل کریں لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس پر عمل ضرور کریں' ورنہ کوئی فائدہ نہیں۔

کورس ہذا میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم حافظ عبدالمنان نے کورس کے بارے میں تاثرات بیان کئے اور اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ میرا تعلق جہلم سے ہے۔ والد ماہنامہ میثاق کے قاری ہیں۔ مجھے بھی اسی میگزین سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے افکار سے آگاہی حاصل ہوئی۔ میثاق میں کورس کا اشتہار دیکھا تو یہاں چلا آیا۔ تمام اساتذہ نے بہت محنت سے پڑھایا' خصوصاً تجوید کا مجھے بہت فائدہ ہوا کیونکہ میں نے قرآن تو حفظ کیا ہوا ہے مگر تجوید کے بہت سے قواعد سے واقف نہ تھا۔

دوسری پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم زین العابدین کا تعلق اسلام آباد سے تھا۔ انہوں نے کہا میرے والد ایئر فورس میں تھے۔ تنظیم اسلامی کے رفیق ہیں۔ اس لئے مجھے ڈاکٹر صاحب کے کیسٹس اور کتب سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ میثاق کا بھی قاری ہوں۔ میٹرک کے امتحانات سے فارغ ہو کر سوچا کہ کچھ نہ کچھ دینی تعلیم حاصل کروں۔ کالج ہاسٹل میں رہائش کے دوران یہاں کا اسلامی ماحول بہت پسند آیا۔ کورس کے دوران قرآن کے بہت سے نظریات واضح ہوئے۔ رشید ارشد صاحب نے مطالعہ حدیث کے پیریڈ میں مغربی تعلیم کی وجہ سے ہمارے ذہنوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو دور کیا۔ مجھے قرآن کالج اور اس کورس کی تربیتی روٹین بہت پسند آئی اور اس بات پر دلی خوشی ہوئی کہ پاکستان میں بھی ایسے معیاری دینی ادارے موجود ہیں جہاں دین و دنیا کو ہم آہنگ کر دیا گیا ہے۔

تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم مصدق مناص خادم نے کہا کہ میرے بڑے بھائی نے اسی کالج سے ایف اے کیا ہے' انہی کے ذریعے اس کورس کا پتا چلا۔ یہ کورس ہمارے لئے بہت مفید

رہا۔ کالج کا دینی ماحول بہت پسند آیا۔ باقی جن طلبہ نے اپنا تعارف کروایا ان کے نام یہ ہیں :
① نعمان اشرف ② عبداللہ ریاض ③ معاذ افتخار ④ حافظ عاطف ⑤ افضال احمد ⑥ منعم محمود ⑦ محمد ذیشان یونس ⑧ محمد وقاص فضل ⑨ فیاض احمد ⑩ محمد صابر ⑪ افضل حسین ہاشمی اور ⑫ محمد آصف۔ اس کے بعد طلبہ میں اسناد تقسیم کی گئیں۔ جبکہ پہلی تین پوزیشنیں حاصل کرنے والے طلبہ کو انعام میں نقد رقم بھی دی گئی۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے طلبہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ حضرات میں بڑا ٹیلنٹ موجود ہے۔ آپ عمرانی علوم کی تعلیم حاصل کر کے دین کی بڑی خدمت کر سکتے ہیں۔ قرآن کالج دراصل سوشل سائنسز اور دینی علوم کو جمع کرنے کی کوشش ہے۔ عام نوجوانوں کا خیال ہوتا ہے کہ اعلیٰ کیریئر کے لئے ڈاکٹر یا انجینئر بنا جائے جو سائنس کے راستے سے ممکن ہے' لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ حضرات دنیا کی قیادت نہیں کرتے۔ ان لوگوں کا کام ملازمت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ شعبے باعزت معاش کا ذریعہ ہیں لیکن دنیا کی قسمت بنانے اور بگاڑنے والے لوگ وہ ہوتے ہیں جو عمرانی علوم کے ماہرین ہوتے ہیں مثلاً وکلاء' سیاستدان اور ماہرین معاشیات وغیرہ کیونکہ دنیا کی قیادت ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ایٹم بم بنانے والے سیاستدان بعد میں پچھتاتے رہے کیونکہ استعمال کا اختیار ان کے پاس نہ تھا۔ قائداعظم ایک وکیل تھے' علامہ اقبال بھی فلسفی و مفکر اور پیشہ کے اعتبار سے وکیل تھے۔

بدقسمتی سے لوگوں کو یہ مغالطہ ہو گیا ہے کہ سائنس کے شعبوں میں ترقی ہے۔ نتیجتاً یونیورسٹیوں میں فلسفے کے شعبے بند ہو رہے ہیں۔ ہمارا یہ کالج اس رجحان کو تبدیل کرنے کی کوشش ہے تاکہ عمرانی علوم کا قرآنی ہدایت سے جوڑ بٹھایا جائے۔ اپنی جگہ یہ ایک عظیم ترین خدمت انسانی ہے۔

ہمیں نوع انسانی کی سوچ کا رخ اللہ اور آسمانی ہدایت کی طرف موڑنا ہے۔ جبکہ آج ان کا رخ مادیت کی طرف ہے۔ یہ انبیاء والا کام ہے۔ آپ اس کار رسالت کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں کیونکہ ختم نبوت کی وجہ سے ہم اس کار رسالت کے امین ہیں اور ہمیں اللہ کو راضی کرنے کے لئے لوگوں تک اس ہدایت کو پہنچانا ہے۔ آخر میں ایک حدیث تحفتہً آپ کو سناتا ہوں تاکہ آپ اس حدیث کی روشنی میں اپنی زندگیوں کا رخ متعین کر سکیں :

((مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ))

"جس شخص کو موت آ گئی اس حال میں کہ وہ علم حاصل کر رہا تھا تاکہ اسلام کو زندہ کرے تو جنت میں اس شخص کا درجہ انبیاء سے ایک درجہ کم ہو گا"۔

(مرتّب : فرقان دانش خان)

"پاکستان' سودی نظام اور قرآن"

کے عنوان سے سیمینار کا انعقاد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن آڈیٹوریم لاہور میں "پاکستان' سودی نظام اور قرآن" کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد ہوا۔ جس کی صدارت امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کی۔ مقررین میں جناب عبدالودود خان' چارٹرڈ انجینئر اور جناب عبدالجبار شاکر 'ڈائریکٹر لائبریریز پنجاب شامل تھے۔ حافظ عبداللہ محمود نے تلاوت کلام پاک سے سیمینار کا آغاز کیا۔ چیئرمین شعبہ فلاسفی پنجاب یونیورسٹی ڈاکٹر ابصار احمد نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔

جناب عبدالودود خان نے اپنی گفتگو میں کہا کہ بینک انٹرسٹ ربا کے زمرے میں آتا ہے اور قطعی حرام ہے۔ سود کی اضطراری حالت میں اجازت ہے لیکن ربا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ انہوں نے کہا کی انٹرسٹ ریٹ کا اشیاء کی قیمتوں سے براہ راست تعلق ہے جوں جوں انٹرسٹ ریٹ بڑھے گا افراط زر' بے روزگاری اور مہنگائی میں اضافہ ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بینچ میں جج صاحبان نے پوچھا ہے کہ سود کا متبادل نظام کیا ہے۔ مگر اب تک کوئی تسلی بخش جواب نہیں آسکا۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی سکالر اپنی توجہ اس طرف مبذول کریں۔ انہوں نے کہا کہ میری تحقیق ہے کہ اگر آج سود کو یکلخت ختم کر دیا جائے تو اشیائے صرف کی قیمتوں میں ۴۲ فی صد کمی واقع ہو جائے گی۔ بجٹ خسارہ کم ہو گا' نیز قیمتوں میں کمی کے باعث ایکسپورٹ میں اضافہ ہو گا۔ نتیجتاً دس سال میں ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ تمام بیرونی قرضوں سے چھٹکارا پا سکیں۔

جناب عبدالجبار شاکر نے شرکاء سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ سودی نظام شرک فی المعیشت ہے کیونکہ یہ اللہ کی ربوبیت کے بجائے انسانوں کی ربوبیت قائم کرنے کی سازش ہے۔ اور ملت اسلامیہ کی بقاء سودی نظام کے خاتمہ سے وابستہ ہے۔ انہوں نے کہا سودی معیشت پر معاشرے اور ہر مذہب میں حرام رہی ہے۔ اور دنیا بھر کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ صرف وہی نظام معیشت مضبوط ترین ہو گا جو زیرو فی صد انٹرسٹ ریٹ پر قائم ہو۔

انہوں نے کہا کہ دستور پاکستان کی رو سے حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو اسلامی نظریہ حیات کے مطابق زندگی گزارنے کا ماحول فراہم کرے۔ چنانچہ حکومت کو چاہئے کہ وہ سود کا خاتمہ کر کے اپنی معیشت کا رخ صحیح سمت میں ڈالے۔ انہوں نے کہا کہ سود کا متبادل نظام دینے کا کام اگر عدالت کے سپرد کر دیا گیا تو اس میں ضعف باقی رہے گا جو سود کے جواز کے حیلوں کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس کا درست طریقہ یہ ہے کہ آئین میں سود کی حرمت کا اصولی حکم درج کیا جائے جبکہ دیگر جزئیات ملک کے ٹیکنو کریٹس طے کریں۔ انہوں نے کہا کہ اس کام کے لئے آج اجتہادی بصیرت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن و سنت کی واضح نصوص کی روشنی میں تحقیقی کام کرنے کے لئے ادارے اور یونیورسٹیوں میں شعبے قائم کئے جائیں تا کہ اسلام کے عادلانہ نظام کو قائم کرنے کے لئے ایک تحریک برپا ہو سکے۔ انہوں نے اسلامی بینکنگ کے قیام کے حوالے سے بتایا کہ مضاربہ کی صورت

میں صرف اسلام ہی دنیا کو وہ واحد نظام دیتا ہے جس میں محنت کے استحصال کا راستہ روک دیا گیا ہے اور محنت کو سرمائے کے برابر دستوری تحفظ دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مستقبل میں اسلامی معیشت ہی دنیا کو یہودی مالیاتی استعمار کی غلامی سے نجات دلا سکتی ہے چنانچہ یہ مسلم ممالک کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ اس نظام کے قیام کے لئے اپنے تمام وسائل بروئے کار لائیں۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے صدارتی خطاب میں سیمینار کے موضوع کے حوالے سے کہا کہ پاکستان وہ واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا۔ اور برصغیر میں مجددین اسلام و مشائخ نظام کی چار سو سالہ تجدیدانہ مساعی کی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ پاکستان کے خطے سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی مشیت وابستہ ہے اور صحیح احادیث میں قیام سے پہلے عالمی غلبہ اسلام کی پیشین گوئیوں کے حوالے سے پاکستان کوئی اہم رول ضرور ادا کرے گا۔ اس ضمن میں پاکستان کی اسلام کی طرف پیش رفت سست ضرور ہے۔ لیکن مایوس کن نہیں' کیونکہ یہی وہ واحد ملک ہے جس کی نمائندہ اسمبلی نے قرار داد مقاصد کی صورت میں اللہ کی حاکمیت کا ببانگ دھل اعلان کیا۔ اسی طرح پاکستان کی فیڈرل شریعت کورٹ نے بینک انٹرسٹ کو ربا قرار دینے کا تاریخی فیصلہ دیا۔ اگرچہ یہ فیصلہ ابھی Implement نہیں ہوا اور حکومت کی اپیل پر سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بینچ میں اس کی سماعت جاری ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ امر حکومت کی بددیانتی کا مظہر ہے کہ حکومت اپنی قائم کردہ راجہ ظفر الحق کمیٹی کی رپورٹ دبا کر عدالت سے متبادل مانگ رہی ہے کیونکہ سود کا متبادل نظام فراہم کرنا عدالت کا کام نہیں۔ بلکہ یہ حکومت کا کام ہے۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ نہ صرف عوام بلکہ دینی جماعتیں بھی اس مسئلے میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہیں۔

سود کی حرمت کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ قرآن میں کسی اور شے کی حرمت کے لئے "اللہ اور رسول سے اعلان جنگ" جیسے سخت الفاظ استعمال نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کی رُو سے زائد ضرورت کمانا چاہتا ہے جس سے "سودی نظام" کی بنیاد پڑتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ از روئے قرآن صدقات مال کی بڑھوتری کا ذریعہ ہیں جبکہ سود مال میں کمی لاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ صدقات کے ذریعے جو رقم معاشرے کے ضرورت مند لوگوں میں جاتی ہے اس سے ان لوگوں کی قوت خرید بڑھتی ہے۔ جو معیشت میں تیزی کا باعث بنتی ہے۔ دوسری طرف سود پر قرض کے لین دین سے جہاں رقوم کے بلاک ہونے سے سرمایہ کاری رک جاتی ہے۔ وہاں سود در سود کے معاملہ کی وجہ سے پیداوار کی لاگت میں اضافہ اشیاء صرف کے باعث معاشرے کے ایک بڑے طبقے کی پہنچ سے دور ہو جاتی ہیں' اور نتیجہ معیشت کی بدحالی پر منتج ہوتا ہے۔ البتہ اگر کوئی اپنی سرپلس رقم سے منافع کمانا چاہتا ہے تو اسلام نے مضاربت کی صورت میں ایک راہ کھلی رکھی ہے۔ اس صورت میں مارکیٹ میں براہ راست پیسہ آتا ہے جس پر سودی نظام کی طرح کوئی پہلے سے بوجھ نہیں ہوتا۔ لہٰذا لاگت کم ہونے کے باعث اشیاء کی قیمتیں مستحکم رہتی ہیں۔

انہوں نے سودی نظام کے خاتمہ کے حوالے سے تجاویز دیتے ہوئے کہا کہ دور ملوکیت میں اسلامی نظام معیشت میں سب سے پہلا سود مضارعت کی شکل میں در آیا جو زمین کا سود ہے جبکہ تجارت میں بیع مؤجل اور بیع مرابحہ کی صورت میں شامل ہوا۔ اسی طرح اسلام میں لیمٹڈ کمپنی کے مقابلے میں مشارکت کا تصور دیا گیا ہے۔ چنانچہ جب [illegible] ان سارے معاملات کی اصلاح نہیں ہوگی معیشت کو اسلامی نہیں بنایا جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ موجود بینک[illegible] نظام کو اسلامائز کرنے کے لئے شیخ محمود احمد کے مجوزہ فارمولے (Time Multiple Coun[illegible] Loan) سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

(مرتب : فرقان دانش خان)

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی' تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ

خط و کتابت کورس :

قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی

سے استفادہ کیجئے!

—— نیز ——

اللہ کے پر تاثیر کلام سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہونے کی خاطر عربی زبان سیکھنے کے لئے' اس کے ابتدائی قدم کے طور پر

عربی گرائمر خط و کتابت کورس

میں داخلہ لیجئے!

مزید برآں ترجمہ قرآن حکیم کورس میں بھی داخلے جاری ہیں

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس کے حصول کے لئے رابطہ کیجئے :

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 5869501